فہرست

لمعات

رویت ہلال۔علماء اور حکومتِ وقت کے لئے ایک تجویز	ادارہ	3
ترکی سے خوش کن خبروں کی آمد	خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی	6
نظام اور اس کا نتیجہ	غلام باری، مانچسٹر	15
حضرت انسان قرآن کے آئینے میں	آصف جلیل	25
مطالب القرآن فی دروس الفرقان (۲۹واں پارہ)	غلام احمد پرویز	30

ENGLISH SECTION

SOCIAL VALUE SYSTEM

By Maj Gen (Rtd) Ihsan-ul-Haq 1

احادیث نبوی ﷺ

رسول اللہ ﷺ نے اپنے آخری حج کے خطبہ میں فرمایا۔ میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں۔ جس سے اگر تم وابستہ رہے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔ وہ چیز کتاب اللہ (قرآنِ حکیم) ہے۔

(مسلم۔نسائی۔ابوداؤد)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد تم سے بہت سی احادیث بیان کی جائیں گی سو جب میری طرف سے کوئی حدیث بیان کی جائے تو اسے کتاب اللہ کے سامنے پیش کرو جو اس کے موافق ہو اسے قبول کرلو۔ جو اس کے خلاف ہو رد کردو۔

(کتاب التوضیح والتلویح)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

رویتِ ہلال:۔علماءاورحکومتِ وقت کے لئے ایک تجویز

جن مہینوں کے پہلی تاریخ کے چاند کو ہمارے معاشرے میں خاص اہمیت حاصل ہے ان میں شاید ہی کوئی مہینہ ایسا ہو جس کی رویتِ ہلال میں ہر سال اختلاف نہ ہوتا ہو۔اس اختلاف کو دور کرنے کی اپیل کیجئے تو فوراً ایک ''حدیث'' پڑھ کر سنا دی جاتی ہے کہ ''اختلاف امتی رحمۃ'' (میری امت کا اختلاف رحمت ہے) صحاح' سنن' مسانید' موطات' مصنفات' معاجم غرض دنیا کی کسی کتابِ حدیث میں یہ حدیث موجود نہیں لیکن اسے خوب اچھالا گیا ہے جس کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اختلافات باقی رہیں اور پارٹی لیڈرشپ پر زد نہ آئے۔اگر گروہی جھگڑے بالکل ختم ہو جائیں تو بہت سے لوگوں کی سیادت وقیادت بلکہ ان کا وہ مصرف ہی ختم ہو جاتا ہے جس سے ان کا مفادِ عاجل وابستہ ہے یہ جھوٹی اور جعلی روایت (اختلاف امتی رحمۃ) کچھ اس انداز سے پیش کی جاتی ہے کہ گویا اتحادِ امت رحمت نہیں ہے۔صرف اختلافِ امت ہی سراپا رحمت ہے۔نتیجہ ظاہر ہے کہ رمضان اور عیدالفطر میں بھی یہ حضرات رویتِ ہلال کی صحیح تاریخ نہیں معین کر پاتے۔

اب وقت آ گیا ہے کہ ہر روز کی اس بیکار کی الجھن کو بالکل ختم کر دیا جائے اور اس کی صرف ایک شکل ہے اور وہ یہ ہے کہ فلکی حساب پر اعتماد کر کے اعلان کر دیا جائے کہ فلاں دن سے فلاں مہینہ شروع ہوگا ہمارے علمائے کرام کو فلکیات کے علم پر غالباً کوئی اعتماد نہیں کیونکہ حدیث شریف میں صرف اتنا آیا ہے کہ صوموا لرویۃ وافطروا لرویۃ۔چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید کرو۔

ایک امی اور سادہ ترین تمدن رکھنے والی امت کو اس سے زیادہ اور کیا بتایا جا سکتا تھا؟ جو امت لکھنا پڑھنا بھی نہ جانتی ہو اس کے لئے بجز ''رُویت'' کے اور کیا طریقہ تجویز فرما سکتے تھے۔وہاں فلکی تقویم کے وہ اکتشافات موجود نہ تھے۔نیز اس وقت رویت کا بدل صرف ایسی عینی شہادتیں ہو سکتی تھیں جو قرب و جوار سے حاصل ہو جائیں اور اس قرب و جوار کی مسافت اتنی مختصر و محدود ہو کہ ایک انسان۔۔۔پیدل یا سوار۔۔۔آسانی سے چند گھنٹوں میں خبر لے کر آ جائے۔اب حالات بدل چکے ہیں۔رسل و رسائل کا یہ حال ہے کہ ہزاروں میل سے چوتھائی سیکنڈ میں خبریں آ جاتی ہیں۔مسافت اتنی سکڑ گئی ہے کہ مہینوں کا راستہ گھنٹوں میں طے ہو جاتا ہے۔فلکی علوم اور تقویمات کا یہ عالم ہے کہ اب وثوق کے ساتھ معلوم ہے کہ:

(۱) ۲۹ دن' ۱۲ گھنٹے' ۴۴ منٹ اور ۱۷ اعشاریہ ۸ سیکنڈ میں چاند اپنی گردش پوری کر لیتا ہے۔

(۲) ۳۶۵ دن ۶ گھنٹے ۹ منٹ اور ۹۔اعشاریہ ۵ سیکنڈ میں زمین اپنی مداری گردش پوری کر لیتی ہے۔

اور آج پورے وثوق کے ساتھ مہینوں پہلے یہ پیشگوئی کر دی جاتی ہے کہ

(۳) اتنے بج کر اتنے منٹ اور اتنے سیکنڈ پر فلاں جگہ چاند گرہن یا سورج گرہن لگنا شروع ہوگا۔اور چاند یا سورج کے اتنے حصے پر گہن لگے گا اور پھر کم ہونا شروع ہوگا۔اور اتنی دیر تک فلاں جگہ اور اتنی مدت تک فلاں جگہ گہن قائم رہے گا۔

اس موقع پر ہماری طرف سے کچھ سننے کے بجائے صبحی محمصانی کی زبان سے سنئے وہ اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے کہ امعلول یدور مع علته وجودا وعدما (معلول اپنی علت کے ساتھ موجود و معدوم ہوتا ہے) لکھتے ہیں کہ:

(عربی سے ترجمہ) ''اور اسی قاعدے کی بنیاد پر بعض فقہاء نے فلکی حساب سے اسلامی مہینوں خصوصاً رمضان کے ہلال کی تعیین کو جائز قرار دیا ہے اور اس کی تشریح یوں کی ہے کہ وہ حدیث جس میں روزے کے متعلق صرف رویت ہلال پر اعتماد کرنے کا حکم ہے ایک منصوص علت کے ساتھ وابستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ (مخاطب) امت امی واقع ہوئی تھی جو لکھنا اور حساب کتاب کرنا نہیں جانتی تھی۔لہٰذا جب یہ امت اُمِیَّت سے نکل کر لکھنے پڑھنے اور حساب و کتاب کے لائق ہوگئی اور لوگوں کے لئے ہلال کے حساب میں یقین اور قطعیت تک پہنچنے کا امکان و سامان پیدا ہو گیا تو اس عمومی صورت حال کے ہوتے ہوئے اور اُمِیَّت کی علت ختم ہونے کے بعد اب یہی ضروری ہے کہ لوگ اس (حسابی) قطعیت و یقین کی طرف رجوع کریں۔اور ہلال کو معلوم کرنے کے لئے تنہا (فلکی) حساب و کتاب کا طریقہ اختیار کریں اور رویت کے (سابق طریقے) کی طرف وہیں رجوع کریں جہاں فلکیات کا جاننا دشوار ہو۔''

محمصانی نے یہ پوری عبارت اپنی مشہورِ عالَم کتاب ''فلسفۃ التشریع'' میں احمد شاکر کی کتاب ''اوائل الشہور العربیۃ'' سے نقل کی ہے جو اسی مضمون پر لکھی گئی ہے کہ اب ہلال کے معاملہ میں فلکی حساب پر بلا تامل اعتماد کیا جا سکتا ہے۔اس عبارت سے جو نکات معلوم ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ:

(۱) معلول ہمیشہ اپنی علت کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔

(۲) ہلال دیکھ کر صوم و افطار کا حکم اس امت کے لئے ہے جو اُمی ہو۔اور فلکیات سے واقف نہ ہو۔نہ خبریں پہنچائی جا سکتی ہوں، نہ اخبار وغیرہ پہنچتے ہوں۔

(۳) لیکن جہاں یہ مجبوریاں نہ ہوں وہاں بلا تامل فلکی علم کے مطابق تعیین ہلال کی جا سکتی ہے اور اسی کے مطابق اسلامی تقریبات ادا کی جا سکتی ہیں۔اس کے علاوہ ذرا یہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ آج پوری امت کس طرح اپنے بعض خالص دینی معاملات میں حساب و کتاب ہی پر اعتماد کر رہی ہے اور یہ اعتماد بالکل قابل اعتراض نہیں سمجھا جاتا۔مثلاً

(۱) آج کوئی بھی سحری کے وقت اٹھ کر سیاہ اور سفید دھاری کے امتیاز کو نہیں دیکھتا۔فلکی حساب ہی کے مطابق سائرن بجتا ہے یا

گولا چھوٹتا ہے اور لوگ اس پر اعتماد کرتے ہیں۔

(۲) بلکہ افطار کے وقت بھی غروب آفتاب کی رویت کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی اور فلکی ریاضیات ہی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

(۳) اب ایک نمازی بھی سایہ ناپ کر یا اپنی آنکھوں سے شفق وغیرہ کو دیکھ کر نمازیں نہیں پڑھتا بلکہ فلکی حساب کے مطابق جو اوقات نامے مسجدوں میں آویزاں ہوتے ہیں ان ہی پر اعتماد کر کے ساری نمازیں ادا کر لی جاتی ہیں۔

غرض کئی جگہ دینی معاملے میں فلکیات پر اعتماد کیا جاتا ہے تو ہلالِ رمضان وعید میں بھی فلکیات پر اعتماد کر لیا جائے تو کون سی قیامت آ جائے گی؟ قرآن کی رُو سے تو قمری اور شمسی دونوں طریقوں سے کیلنڈر مقرر کیا جا سکتا ہے۔ اگر ملت کے اجتماعی مصالح کا تقاضا یہ ہو کہ شمسی مہینوں کے مطابق حساب رکھنا زیادہ منفعت بخش ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں' اگر کبھی اسلامی نظام قائم ہوا اور اس نے ایسا فیصلہ کر لیا تو پھر رویتِ ہلال کی اہمیت ہی نہیں رہے گی۔ نوع انسانی سمٹ کر ایک برادری بنتی جا رہی ہے۔ جب یہ برادری ایک خدا کے ایک قانون (قرآن) کے تابع آ جائے گی تو پھر حساب کتاب بھی اسی طرح رکھا جائے گا جس سے ان کی وحدت مستحکم ہوتی چلی جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی

ترکی سے خوش کن خبروں کی آمد

ایک تجزیہ اور قرآن کی آواز

دنیا کا باطنی اضطراب اور مسلمانوں کی اپنی تباہی و بربادی ان کو مجبور کر رہی ہے کہ وہ بیدار ہوں اور قرآن کے قریب آئیں، مسلمانوں کے 56 ممالک تھے، Kosovo کے آزاد ہونے سے ایک مسلمان ملک کا اور اضافہ ہو گیا ہے۔ کوسووا اور ترکی دونوں یورپ میں واقع ہیں۔ ترکی اسلام کو بطور ضابطہ حیات اور دین کے اختیار کرنا چاہتا ہے لیکن ان کے ذہن میں اسلام کا تصور مذہب کا ہے اور مذہب کسی طرح بھی دین کی حیثیت سے نافذ نہیں ہو سکتا۔ ترکی کے سکالرز اور مفکرین سخت مشکل اور کشمکش میں مبتلا ہیں اور سر توڑ کوشش کر رہے ہیں کہ اسلام کو بطور نظام کے پیش کریں۔ کافی عرصہ سے ترکی کی اس کوشش کی جستہ جستہ اور شدہ شدہ خبریں موصول ہو رہی تھیں چونکہ ہمارے ہاں ترکی جاننے والے کم لوگ ہیں اور ترکی میں بھی اردو کے عالم کم ہیں، اس لئے یہ خبریں زیادہ نہیں آ رہی تھیں اب بی بی سی (B.B.C) نے ایک تفصیلی خبر دی ہے جس کو گارڈین لندن نے اپنی اشاعت مورخہ 28-02-2008 میں شائع کیا ہے۔ اس خبر کا ترجمہ پیش خدمتِ ہے، اس ہی خبر کو روزنامہ ایکسپریس، کراچی نے بھی مورخہ 28-02-2008 کی اشاعت میں اپنے الفاظ میں شائع کیا ہے۔ یہ دونوں تراشے ملاحظہ فرمائیں۔ گارڈین، لندن میں تحریر ہے۔

ترکی میں اسلام کو اکیسویں صدی میں قابلِ عمل بنانے کی کوشش

(۱) شریعت کی اساس کی تجدید نو اور قرآن کی تفسیر نو۔

(۲) مسلمانوں کے نظریات اور مغربی افکار میں تطبیق۔

ترکی نے یہ جرأت مندانہ قدم اٹھایا ہے کہ شریعت کی اساس کی تعبیر نو کرے۔ جبکہ سرکاری طور پر قرآن کریم کی موجودہ دور کے مطابق تفسیر کرے۔

وزیراعظم اردگان Erdogan کی اسلام پسند گورنمنٹ کی اصولِ فقہ کی تجدید کرنے کی کوشش اور اسلام کو اکیسویں صدی میں اس طرح قابل عمل بنانے کی جدوجہد کہ مسلمانوں کے نظریات اور یورپ کے نظریات ہم آہنگ ہو جائیں، بہت بڑی مہم خیال کی جا رہی ہے۔

ماہرین کا خیال ہے کہ اس طرح عورتوں کے خلاف

امتیاز، بربریت پر مبنی سزائیں جیسے رجم اور اعضا کا کاٹنا وغیرہ ختم ہو جائیں گی اور اس طرح اسلام اس ملک میں جو مغرب و مشرق کے درمیان واقع ہے اور اپنے کو مغرب میں شمار کرانا چاہتا ہے، ایک طاقت بن کر ابھر آئے گا۔

محکمہ مذہبی امور کے ماتحت، انقرہ یونیورسٹی کے اسلامی علماء کی ایک جماعت نے احادیث کی نئے سرے سے تفسیر کا کام تقریباً ختم کر لیا ہے۔ اس کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں وہ اقوال جو حضورﷺ کی جانب منسوب ہیں اور جو اسلامی قانون کا ماخذ بنتے ہیں، ان کی بھی جدید تعبیر کر لی ہے۔ مصطفیٰ اکیول جو اردگان گورنمنٹ کے آزاد خیال گروہ کے ترجمان ہیں انہوں نے کہا ہے کہ ایک ٹیم جو تجدید نو کا کام کر رہی ہے اس نے اپنا کام تقریباً مکمل کر لیا ہے البتہ اس ٹیم کو ان احادیث کی وجہ سے پریشانی ہے جو عورتوں کے متعلق ہیں، ممکن ہے کہ ان میں سے کچھ کو یہ کہہ کر کہ وہ مستند نہیں ہیں خارج کر دیا جائے۔ یہ ایک بہت بڑا عملی اقدام ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان احادیث کے ذیل میں حاشیے (Notes) دے دیئے جائیں کہ ان کو تاریخ کے مختلف تناظر میں دیکھا جانا چاہئے۔ واضح رہے کہ مذہبی امور کا یہ محکمہ ترکی کی آٹھ ہزار مساجد کی نگرانی کرتا ہے اور ان مساجد کے آئمہ کی تقرری بھی یہی محکمہ کرتا ہے۔

فادی حاکورہ Fadi Hakura جو ترکی کے International Institute of Strategic Studies میں ایک ماہر ہیں، انہوں نے اس اقدام کو سنی اسلام کو موجودہ دور کی سماجی اور اخلاقی اقدار کے مطابق بنانا قرار دیا ہے۔

وہ (اس انسٹیٹیوٹ کے ماہرین) اس اقدام کو کوئی انقلابی قدم قرار نہیں دیتے بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ اقدام صدر اول کے اسلام کی طرف مراجعت ہے اور اس طرح اس اسلام سے وہ تمام قدامت پرستی دور ہو جائے گی جس نے کئی صدیوں سے اسلام کو منجمد کر کے رکھ دیا ہے یہ اقدام اسی طرح کا ہے جیسا کہ عیسائیت میں ریفارمیشن ہوئی تھی اگرچہ بالکل اس طرح کا نہیں ہے۔

علی باردوکوگلو Ali Bardokogolo، آزاد خیال مذہبی سکالر ہیں۔ انہیں اردگان نے مذہبی محکمہ کا سربراہ مقرر کیا ہے۔ اس محکمہ میں انقرہ کے علماء 5 جلدوں پر مشتمل تفسیر قرآن تحریر کر رہے ہیں۔ اس تفسیر میں وہ قرآن کے پیغام کو موجودہ دور کے مطابق بیان کر رہے ہیں۔ (یہاں تین پیراگراف کا ترجمہ ترک کیا جاتا ہے، اس کے بعد تحریر ہے)۔

(احادیث) **ایک نظر میں:**

احادیث حضورﷺ اور آپﷺ کے اصحابؓ کے واقعات کا بیان ہے اور قانون، سیرت اور تاریخ کے لئے ایک اہم ماخذ شمار کی جاتی ہیں۔ احادیث ان امور کو بیان کرتی ہیں جو حضورﷺ نے کئے، کہے، یا جو امور آپ نے پسند فرمائے۔ زیادہ تر مسلمان احادیث کو قرآن کی تفسیر خیال کرتے ہیں۔ اسلامی اصولِ فقہ میں قرآن مسلمانوں کے طرزِ عمل کی ہدایات دیتا ہے۔

لیکن اس میں بہت سے امور کے متعلق مخصوص اصول نہیں ہیں۔ اسلامی شریعت اور اسلامی قانون کا نوے فیصد حصہ حدیث کے زیر اثر تشکیل دیا گیا ہے۔ اس (نوے فیصد حصہ) میں بھی زانی' مرتد' جہاد اور عورتوں سے برتاؤ کرنے کے قوانین زیادہ تر اختلافی اور متنازعہ فیہ ہیں۔ (ترجمہ ختم ہوا)۔

اب آپ روزنامہ ایکسپریس کا تراشہ بھی ملاحظہ فرما لیں۔

ترکی میں احادیث کے ازسرِنو جائزے اور تشریح کی تیاری

بعض احادیث رسول ﷺ سے منسوب کر دی گئیں' مختلف نسلوں نے سیاسی مقاصد کے لئے تبدیلیاں کیں' اسکالرز

انقرہ (ایکسپریس نیوز ڈیسک) ترکی میں ایک دستاویز کی تیاری کی جا رہی ہے جس میں اسلام کی ازسرِنو تشریح اور مذہب کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی بات کی گئی ہے' اس دستاویز کو انقلابی قرار دیا جا رہا ہے' وزارت مذہبی امور نے انقرہ یونیورسٹی میں علماء کی ایک ٹیم کی خدمات حاصل کی ہیں جسے احادیث کا ازسرِنو جائزہ لینے کا کام سونپا گیا ہے' ترک حکومت کا دعویٰ ہے کہ بہت سی ایسی احادیث ہیں جن کے بارے میں خیال کیا جا رہا ہے کہ وہ پیغمبر اسلام ﷺ سے منسوب کر دی گئی ہیں اور بہت سی ایسی احادیث ہیں جن کی ازسرِنو تشریح کی ضرورت ہے' بعض مبصرین کا کہنا ہے کہ اسلام کے عقائد کی ازسرِنو تشریح کی جا رہی ہے تا کہ مذہب کی تجدید کی جا سکے' احادیث پر ازسرِنو نظر ڈالنے کی ضرورت کی حمایت کرنے والوں کا کہنا ہے کہ اسلام میں دلیل اور منطق جو 14 سو سال پہلے اس کی بنیاد میں شامل تھی اسی روح کو تلاش کیا جا رہا ہے' کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ترکی میں مذہب میں اصلاحات کا آغاز ہے' انقرہ یونیورسٹی کے مذہب کے شعبے میں احادیث کا باریکی سے جائزہ لیا گیا ہے' اس منصوبے کے مشیر کورنر کا کہنا تھا کہ بہت سی ایسی احادیث بھی ہیں جن کے بارے میں یہ دکھایا جا سکتا ہے کہ وہ پیغمبر ﷺ کی وفات کے سینکڑوں سال بعد وجود میں آئیں' اصلاحات کے حامیوں کا استدلال ہے کہ اسلامی اقدار کو مختلف ادوار میں دیگر ثقافتوں نے (جن میں سے اکثر قدامت پسند تھیں) بتدریج اپنے سماجی مفادات اور مقاصد کے لئے استعمال کیا' احادیث کا نئے سرے سے جائزہ لینے والوں کا کہنا ہے کہ مختلف نسلوں نے اپنے سیاسی مقاصد کے لئے احادیث میں تبدیلیاں کیں اور انہیں پیغمبر اسلامؐ سے منسوب کر دیا۔ ترکی کا ارادہ ہے کہ صدیوں کی ان ثقافتی تحریفوں سے جان چھڑائی جائے اور اسلام کی اصل اساس کی طرف لوٹا جا سکے' پروفیسر محمد گومیز' ترکی کے محکمہ مذہبی امور کے ایک سینئر اہلکار ہیں اور احادیث کے عالم بھی ہیں' انہوں نے کہا کہ اصلاحِ حدیث منصوبے کا مقصد یہ باور کرانا ہے کہ احادیث کا ازسرِنو جائزہ لینا درست ہے اور ایسا جامع تحقیق اور مطالعے کی بنیاد پر کیا جا رہا ہے' پروفیسر گورمیز نے

کہا کہ پیغمبرﷺ نے ایک خطبے میں فرمایا کہ انہیں اس دن کا شدت سے انتظار ہے جب خواتین تنہا لمبے سفر پر جاسکیں گی' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلامﷺ کا مقصد کیا تھا' انہوں نے کہا کہ اس طرح کی پابندی ابھی تک کتابوں میں موجود ہے اور یہ عورتوں کے آزادانہ سفر پر قدغن لگاتی ہے' ترکی نے اصلاحات کے پروگرام کے تحت ساڑھے چار سو خواتین کو مذہب کی تعلیم دے کر انہیں واعظ بنایا ہے' ان خواتین کو ترکی کے وسیع دیہی علاقوں میں عورتوں کو مذہب کی روح سے روشناس کرانے کا کام سونپا گیا ہے' لندن میں قائم چی تھم ہاؤس کے ترک امور کے ماہر ہاکورا کے مطابق ترکی اسلام کو از سرِ نو دریافت کر رہا ہے۔

(ایکسپریس نیوز' 28-02-2008)

آپ نے ترکی سے متعلق دونوں اخبارات کے تراشے ملاحظہ فرمائے۔

ترکی میں موجودہ کشمکش کو سمجھنے کے لئے' اس کشمکش کا پس منظر پیش نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اس لئے اس کا مختصر ترین پس منظر (Back Ground) پیش خدمت عالی ہے۔

ترکی میں سلطنت عثمانیہ کی بنیاد ایک ترک غازی عثمان نے 1299ء میں ڈالی تھی۔ سلطان مراد اول' سلطان بایزید' سلطان محمد فاتح کے ادوار میں اس حکومت نے بہت ترقی کی اور سترہویں عیسوی کے آخر تک سلطنت عثمانیہ تین براعظموں ایشیا' یورپ اور افریقہ پر مسلمانوں کی سب سے بڑی اور مدت کے اعتبار سے طویل سلطنت بن گئی۔ سترہویں صدی کے آخر میں سلطنت عثمانیہ کے زوال کے آثار نمودار ہوئے۔ 1683ء میں اس کو آسٹریا اور 1717ء میں اس کو ہنگری سے شکست اٹھانا پڑی۔ سب یورپی طاقتیں خلافتِ عثمانیہ کو ''یورپ کا مردِ بیمار'' شمار کرنے لگیں۔ اس سلطنت کے گردونواح میں جدید جمہوری حکومتیں قائم ہو چکی تھیں۔ آئینی' قانونی اور انسانی اقدار کے تقاضوں کی بنیاد پر ان ریاستوں میں مزید اصلاحات ہوتی چلی جا رہی تھیں لیکن ترکی میں وہ پرانا فقہ بطور قانون کے رائج تھا جس میں جمہوری' آئینی اور دستوری طرزِ حکومت کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ سابقہ فقہ کو نافذ کرنے سے بادشاہوں کو دو فائدے ہوتے ہیں۔ ایک تو ان کے جبر و تشدد اور استبداد کا جواز مہیا ہو جاتا ہے۔ دوسرے وہ اسلامی قانون کے نفاذ کا تمغہ Credit حاصل کرتے ہیں۔ ترکی میں یہی صورتِ حال تھی۔ اس کے خلاف سب سے پہلے ابراہیم شناسی آفندی نے تحریک انقلاب کی آواز بلند کی۔ جون 1862ء میں انہوں نے ''تصویرِ افکار'' نام کا اخبار شائع کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد ''جدید عثمانیوں'' نے سیاسی مجتہدانہ فضا قائم کی۔ فواد پاشا صدرِ اعظم اور عالی پاشا وزیر خارجہ کی حکومت میں 3 جون 1865ء کو ایک خفیہ تنظیم قائم کی گئی جس کے یہ تین مقاصد تھے۔

(۱) حکومتِ وقت میں اصلاحات کی جائیں۔

(۲) بادشاہت کا خاتمہ کیا جائے۔

(۳) آئینی حکومت کا قیام عمل میں لایا جائے۔

اس دور میں ضیاء پاشا اور علی سعادی آفندی نے بڑا

نام پایا۔ اور اجتہاد پر سخت اصرار کیا۔ اجتہاد کی حامی اس انقلابی تحریک کو اس وقت اور بھی مدد ملی جب 1866ء میں شاہی خاندان کے شہزادے مصطفیٰ پاشا نے اس کی حمایت کرنی شروع کر دی۔ وہ جلاوطن ہو کر پیرس چلے گئے اور وہاں سے انہوں نے سلطان کے نام ''کھلا خط'' لکھا جسے ترکی کے انقلاب میں سنگِ میل کا درجہ دیا جاتا ہے۔ 1897ء میں مراد بے نے ایک کتاب شائع کی جو اس دور کے ''جوانانِ ترک'' کے خیالات کی ترجمان تھی۔ اس کتاب میں مراد بے نے ترکی کے زوال کی ساری ذمہ داری سلطان عبدالحمید اور یورپی طاقتوں پر ڈال دی۔ خلیفۃ المسلمین اور علماء سے مایوس ہو کر، جن تعلیم یافتہ لوگوں نے ترکی کو بچانے کی کوشش کی وہ ''نوجوانانِ ترک'' کے نام سے معروف ہوئے۔ وہ خلیفۃ المسلمین کی منافقانہ چالوں، اسلام کے استحصال اور حالات کی نزاکت سے تنگ آ گئے تھے انہوں نے پہلے 1896ء میں ناکام فوجی بغاوت میں حصہ لیا مگر جولائی 1908ء میں وہ کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے خلیفہ کو مجبور کر کے آئین بحال کرا لیا۔ اس کو ینگ ترک ریولیوشن'' Young Turk Revolution کہا جاتا ہے۔ ان ''نوجوانان ترک'' نے ترکی میں اصلاحات کرنی شروع کیں تو ان کو واضح طور پر محسوس ہونے لگا کہ خلافتِ عثمانیہ میں جو شریعت نافذ تھی اس کا قرآن وسنت سے کوئی علاقہ نہیں تھا۔ چنانچہ ان ''نوجوانانِ ترک'' نے اپنے ہاں رائج فقہی تصورات کا تجزیہ کیا تو انہیں محسوس ہوا کہ جس فقہ کو وہ رائج کئے ہوئے تھے وہ صرف قدیم فقہا کے آراء اور اجتہادات تھے جو ان کے اپنے قیاس پر مبنی تھے جس فقہ کو فقہ حنفی کہا جاتا ہے وہ دراصل امام ابوحنیفہؒ کے اجتہادات سے ستر فیصد مختلف ہے اور اس میں امام ابوحنیفہؒ کا حصہ (Contribution) صرف تیس (30) فیصد ہے۔ اس مروجہ فقہ کی تدوین امام ابوحنیفہ کے بعد ان کے شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمد نے کی تھی۔ نیز انہیں اس بات کا بھی علم ہوا کہ یہ فقہ اس وقت مدون ہوئی جب ملوکیت اپنے پنجے گاڑ چکی تھی۔ ملوکیت کو امام ابوحنیفہؒ نے خلاف اسلام قرار دیا تھا۔ اس کے تحت ملازمت کرنے کو ناجائز گردانا تھا۔ انہوں نے ملوکیت اور ملکیتِ زمین دونوں حرام قرار دی تھیں۔ لیکن جب ابو یوسف قاضی القضاہ ہوئے تو انہوں نے ان کو جائز قرار دے دیا۔

''ترک نوجوانان'' کے بعد وہ بلند ترین شخصیت جسے ترکی میں اجتہاد کا بانی کہا جا سکتا ہے وہ محمد ضیاء بے ہیں۔ جو ضیاء گوکلپ کے نام سے مشہور ہیں۔ وہ 1875ء میں سلطنتِ عثمانیہ کے علاقہ دیاربکر میں پیدا ہوئے۔ وہ علامہ اقبالؒ کے ہم عصر تھے۔ انہوں نے 49 سال کی عمر میں 1924ء میں وفات پائی۔ انہوں نے استنبول میں تعلیم حاصل کی۔ وہ جنگ عظیم اول میں انور پاشا کی حکومت کے طرفدار تھے۔ بعد میں وہ مصطفیٰ کمال پاشا پیپلز پارٹی (Peoples Party) کے رکن بنے۔ انہوں نے ترک نیشنلزم کی فکر کو جنم دیا اور اپنے اشعار کے ذریعے اپنے فکر کو عام کیا۔ اکتوبر 1923ء میں مصطفیٰ کمال کی قیادت میں جو جمہوری ترکیہ قائم ہوئی وہ ان کے افکار کا ہی نتیجہ تھی وہ فقہ، تصوف،

علم کلام کو فرسودہ روایات کا مجموعہ سمجھتے تھے۔ وہ اجتہاد اور تحقیق کے قائل تھے۔ ضیاء گلوکلپ نے ترکوں پر زور دیا کہ وہ عربی' فارسی اور ترکی اثرات کو' جو اسلام پر چھا گئے ہیں انہیں دور کریں اور خالص اسلام کو اس کی تابندگی اور درخشندگی کے ساتھ ظاہر کریں۔ ان کا نظریہ تھا کہ ترکی کے جدید مفکرین کا اصل کام ہی یہ ہے کہ وہ تحقیق کریں کہ اصل اسلام کیا ہے اور اس پر فارسی' عربی' ترکی' روایات نے کیا اثرات مرتب کئے ہیں۔

ضیاء گوکلپ کے بعد ترکی کے مفکرین میں سعید حلیم پاشا کا مرتبہ نہایت بلند و نمایاں ہے۔ انہوں نے قدیم فقہ کو موجودہ ترکی کے مسائل حل کرنے کے لئے بالکل غیر مفید ثابت کیا اور فقہ جدید کی تدوین پر اصرار کیا۔ ہمارے ہاں علامہ اقبالؒ نے سعید پاشا کی جدوجہد اور ان کے افکار کی بہت تعریف کی ہے جس کا تذکرہ رسالہ طلوع اسلام میں بہت مرتبہ آیا ہے۔ سعید حلیم پاشا کے افکار کی ترویج و تشہیر کے باعث ترکوں نے مذہبی و سیاسی اجتہاد میں جو کام کئے ان میں ان کے دو گروپ بن گئے۔ ایک حزبِ وطن تھا اور دوسرا گروہ حزبِ اصلاحِ مذہب تھا۔ یہ دونوں گروہ سلطنت عثمانیہ میں مروجہ قدیم فقہ کے مخالف تھے اور اسی فقہ کو اپنے زوال کا باعث گردانتے تھے۔ چنانچہ حزبِ وطن نے تو کلی طور مذہب سے ہی انکار کر دیا۔ اور ترکی کے سیکولر ہونے کے قائل ہو گئے۔ جبکہ حزبِ اصلاح مذہب جس کے نمائندے سعید حلیم پاشا تھے وہ فقہ میں اصلاح کا قائل تھا۔ سعید حلیم پاشا ترکی کے وزیراعظم بھی تھے ان کا خیال تھا کہ قانونِ شریعت کی ازسرِ نو تشکیل' جدید افکار اور تجربات کی روشنی میں کی جانی چاہئے۔ 1717ء تا 1919ء کے دوران قومی اور بین الاقوامی واقعات نے اسلام پر پڑے ہوئے فقہی جمود کو توڑ کے رکھ دیا اور ترکوں پر اسلام کی صحیح تعلیم واضح ہوگئی۔ چنانچہ اس علمی و فکری بیداری کے بعد یکم نومبر 1922ء کو گرینڈ نیشنل اسمبلی Grand National Assembly نے تین قرار دادیں منظور کیں۔

(1) سلطنت ختم کی جاتی ہے۔

(2) اب خلافت کا حق ریاست جمہوریہ ترکیہ کو حاصل ہوگیا ہے۔

(3) گرینڈ نیشنل اسمبلی' خاندانِ عثمانیہ میں سے سب سے بڑے عالم اور قابل شخص کو خلیفہ منتخب کرے گی۔

یہ گرینڈ نیشنل اسمبلی کے وہ اجتہادات ہیں جو اب بھی تاریخ میں ثبت ہیں۔ خلافت کسی فرد کے بجائے قوم کی منتخب اسمبلی کا حق تسلیم کر لی گئی۔ اب اس اسمبلی کو اختیار تھا کہ وہ خلیفہ کا انتخاب کرے۔ چنانچہ 1922ء تک تقریباً بارہ سو سال سے جو ملوکیت اور شخصی خلافت قرآن کے خلاف فقط فقہ کے جواز پر چلتی رہی وہ 1922ء میں منقرض ہوگئی۔

جنگ عظیم اول میں ترکی نے جرمنی کا ساتھ دیا تھا

لیکن مصطفیٰ کمال نے اس فیصلہ سے اختلاف کیا تھا جس کے سبب ان کے انور پاشا سے سخت اختلافات ہو گئے کیونکہ انہیں جرمنی کی شکست کا یقین تھا۔ جرمنی اور ترکی کی شکست کے بعد اپریل 1920ء کو مصطفیٰ کمال نے انقرہ میں گرینڈ نیشنل اسمبلی کا اجلاس طلب کیا' یہ اجلاس انقرہ کی سب سے بڑی مسجد حاجی بیرم ولی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں مصطفیٰ کمال کو گرینڈ نیشنل اسمبلی کا صدر منتخب کیا گیا۔ 29 اکتوبر 1923ء کو گرینڈ نیشنل اسمبلی نے ایک قرارداد منظور کی جس کے ذریعے ترکی کو جمہوریہ قرار دیا گیا اور مصطفیٰ کمال کو اس کا پہلا صدر بنایا گیا۔

ان انتہائی تشویشناک حالات میں ترکی میں مصطفیٰ کمال ایک نجات دہندہ کی حیثیت سے نمودار ہوئے۔ ترکی پر جو چاروں طرف سے یلغار تھی انہوں نے اس کا دفاع کیا اور غازی کہلائے۔ انہوں نے قوم کو آزادی دلائی' آمریت کو ختم کیا اور جمہوریت قائم کی اور قوم سے اتاترک کا خطاب حاصل کیا۔ گذشتہ دو سو سال کے دوران خلیفہ وقت اور علماء نے تنگ نظری اور رجعت پسندی کی وجہ سے نہ تو اجتہاد کرنے دیا تھا اور نہ اسلام کی تعبیر نو کی اجازت دی تھی۔ جس کے نتیجہ میں ایک عظیم الشان سلطنت عثمانیہ کفر کے قبضہ میں چلی گئی۔ اپنے اقتدار کے ابتدائی دور میں مصطفیٰ کمال نے ضیاء گلوکلپ اور سعید حلیم پاشا کے افکار و نظریات کی راہنمائی میں نئے اجتہاد سے کام لے کر ایک جدید اسلامی جمہوری ریاست قائم کرنے کی کوشش کی لیکن شیخ الاسلام اور علماء نے ان کو اس کی اجازت ہی نہیں دی کیونکہ اجتہاد کرنے سے سابقہ فقہ ختم ہو جاتا ہے اور فقہ کے ختم ہو جانے سے علماء کی موت واقع ہوتی ہے۔ علماء کا وجود تو احادیث و فقہ سے ہی قائم ہوتا ہے۔ اگر آپ ان کو مسترد کر دیں تو علماء کا وجود ہی باقی نہیں رہتا۔ علماء کی اس ضد' ہٹ دھرمی اور تنگ نظری سے پریشان ہو کر بالآخر مصطفیٰ کمال نے ترکی کو سیکولر حکومت قرار دے دیا۔

ترکی میں رجعت پسندی اور اجتہاد کی کشمکش کی مختصر ترین سرگذشت پیش خدمت عالی کی گئی ہے۔ ان دو سو سال کے عرصہ میں علماء نے حد درجہ یہی کوشش کی کہ ترکی میں اجتہاد نو نہ ہو۔ ہمارے علمائے کرام یہ تو برداشت کر لیتے ہیں کہ حکومت سیکولر ہو جائے اور اسلام کی بساط لپیٹ دی جائے' لیکن یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ فقہ میں اجتہاد نو کیا جائے۔

صدر اول کے بعد سے ہمارے دور میں یہ پہلا موقع ہے کہ مسلمان اسلام کو بطور دین کے اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اس بات کی اہمیت کا صحیح اندازہ نہیں کر رہے ہیں۔ اگر اس وقت پھر مذہب کو ہی دین بنا کر نافذ کیا گیا تو اس کا لازمی نتیجہ ناکامی ہو گا اور اس کے بعد کئی صدیوں تک مسلمانوں کو دین کے قیام کی ہمت نہیں ہو گی۔ سوڈان میں جنرل نمیری نے فقہ پر مبنی شریعت کو نافذ کیا تھا۔ اس میں نہ

قرآن کریم سے کوئی راہنمائی تھی اور نہ ہی اجتہاد کیا گیا تھا۔ چونکہ وہ حالات حاضرہ کے مطابق نہیں تھی۔ اس لئے ناکام ہوئی۔ ایران کا انقلاب آپ کے سامنے ہے۔ وہاں کے علماء نے بھی اپنی تنگ نظری اور رجعت پسندی کی وجہ سے سابقہ فقہ جاری کیا۔ ترکی کے مفکرین نے سوڈان اور ایران کی ناکامی سے سبق حاصل کیا تو وہ شاید اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جائیں لیکن بظاہر امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی کیونکہ ان کے سامنے نہ تو قرآن خالص ہے اور نہ ہی دین کا تصور۔ ان کے موجودہ اہداف قرآن کی تعبیر نو اور احادیث کی صحت وسقم کا جائزہ لینا ہے۔ قرآن کی تفسیر نو صرف اس وقت ہوسکتی ہے جب قرآن کے اصول تفسیر تبدیل کئے جائیں ہمارے مفسرین کرام ایک ہزار سال سے جن اصولوں پر تفسیر کرتے چلے آرہے ہیں' بنیادی طور پر وہ اصول ہی غلط ہیں۔ ان اصولوں کے ماتحت تفسیر نو ہو ہی نہیں سکتی۔ اصل مسئلہ احادیث کے صحیح و غلط ہونے کا نہیں ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ حدیث قانون کا ماخذ ہے یا نہیں۔ اگر حدیث صحیح بھی ہے تب بھی وہ قانون کا ماخذ نہیں ہوسکتی۔ قانون کا ماخذ صرف اور صرف قرآن ہے حدیث کو قانون کا ماخذ تسلیم کرنے سے ہی اسلامی قانون قرآن کے خلاف جاتا ہے۔ اسی طرح اجماع و قیاس کو بھی ماخذ قانون تسلیم کرنے سے اسلامی قانون جامد ہو جاتا ہے۔ ترکوں کے پیش نظر جو اہداف ہیں' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ درست راہ پر گامزن نہیں ہیں۔ خوب یاد رکھیں کہ جب تک مسلمان احادیث اور فقہ کا کابوس اپنے اوپر سے نہیں اتارتے وہ کبھی ترقی نہیں کرسکتے۔

اسلام کو بطور دین نافذ کرنے کا معیار و میزان یہ ہے کہ اسلامی حکومت کی اطاعت ہو اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ پھر انفرادی پرستش کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس کا دوسرا معیار یہ ہو کہ اس حکومت کے قیام سے قرآن کریم میں دیئے گئے خدا کے وعدے پورے ہوتے ہیں۔ اگر اس نظام کے ذریعے قرآن کریم کے یہ وعدے پورے ہو رہے ہیں تو سمجھ لیں کہ واقعاً ہم نے دین قائم کر دیا ہے اور اگر وہ وعدے پورے نہیں ہو رہے ہیں تو ہمیں اپنے آپ کو دھوکہ نہیں دینا چاہئے کہ ہم قرآن پر عمل کر رہے ہیں۔ یہ ایک ایسا Pragmatic Test ہے جو ہمیں کسی اشتباہ میں نہیں چھوڑتا۔ قرآن کریم کا ایک وعدہ یہ ہے کہ قیام دین کے بعد ہر شخص کو رزق مہیا ہوگا۔ وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (11:6)۔ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ (6:151)۔ ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی۔ قرآن کا دوسرا وعدہ یہ ہے کہ دین کے قیام سے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوگا بلکہ یہ کہ غلبہ و اقتدار صرف اور صرف مسلمانوں کا خاص حق ہوگا۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ (63:8)۔ (ترجمہ) ''عزت'' صرف اللہ کے لئے ہے' اس کے رسول

کے لئے، مومنین کے لئے۔ یہاں لامِ حصر لا کر واضح کر دیا کہ غلبہ صرف مسلمانوں کو ہی رہے گا باقی اقوام سب ان کی محکوم و مغلوب ہوں گی۔ قرآن کریم کا تیسرا وعدہ یہ ہے کہ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً (24:55)۔ اس نظام میں پوری طرح امن ہوگا۔ آج انسانیت امن کے لئے تڑپ رہی ہے۔ اس نظام کے ذریعے ترکی میں بھی امن ہوگا اور ترکی اس امن کو Export بھی کرے گا۔ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِناً (3:97)۔ جو اس نظام میں داخل ہو گیا وہ امن میں آ گیا۔ ترکی میں یا جہاں بھی قیام دین سے یہ وعدے پورے ہو رہے ہوں وہ یقیناً قرآن کا نظام ہے اور اگر ان میں سے کوئی ایک وعدہ پورا نہیں ہو رہا ہے تو سمجھ لیجئے کہ دین کا قیام نہیں ہوا ہے۔

دین کا یہ واضح تصور پوری امت مسلمہ میں کہیں نہیں ہے۔ یہ صرف اور صرف تحریک طلوع اسلام کو اس کا شرف حاصل ہے کہ وہ قرآن کی اصل تعلیم تک پہنچ پائی ہے۔ قارئین کرام سے گذارش ہے کہ وہ خاص اس نقطہ ماسکہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں اور اس کو پاکستان میں بھی عام کریں اور ترکی تک اس آواز کو پہچانے کی پوری پوری کوشش کریں۔

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ (41:33)۔ اس سے بہتر کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلام باری، مانچسٹر

نظام اور اس کا نتیجہ

قرآن کریم کے بے شمار مقامات میں وحی کا اولین پیغام یہ ہے کہ اطاعت اور محکومیت خدا کے سوا کسی کی جائز نہیں یعنی! لا الٰہ الا اللہ (There is no Sovereign except Allah) خدا کے سوا کوئی ہستی ایسی نہیں جسے اقتدار کا حق حاصل ہو۔ حتیٰ کہ رسول کی بھی حیثیت یہ ہوتی تھی کہ وہ اس وحی کی اطاعت کرتے تھے اور دوسروں کو اس حقیقت سے آگاہ کرتے تھے کہ ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے سے انہیں کس قدر خوشگواریاں میسر آئیں گی اور ان کی خلاف ورزی سے زندگی کتنی مشقتوں میں گزرے گی (۲۰/۱۲۴)۔ سورۃ ہود میں سابقہ انبیاء کرامؑ اور اقوامِ گذشتہ کے احوال و کوائف بیان کئے گئے ہیں۔ اس میں قوموں کی تباہی کے اسباب میں چھوٹی چھوٹی بداخلاقیوں کا ذکر نہیں جنہیں ہم عام طور پر معیوب سمجھتے ہیں اور نہ ہی مذہبی رسومات اور معتقدات کا جو اتنی بڑی اہمیت اختیار کر لیتے ہیں۔ نماز روزہ فرض بجا اور درست لیکن اس میں یہ لکھا ہی نہیں ہے کہ فلاں قوم نماز و روزہ کی پابند نہیں تھی اس لئے ہلاک ہوگئی بلکہ ان اقوام کے غلط نظامہائے حیات (ادیان) کے نتائج کو سامنے لایا گیا ہے۔ سب سے پہلے قومِ نوحؑ کے متعلق ہے کہ وہ طبقات میں بٹی ہوئی تھی ان کے ہاں معیارِ زندگی، تکریم و تعظیم یعنی مدارج کا تعین دولت تھا، جوہرِ ذاتی نہیں تھا۔ یہ تھا جرم اس قوم کا جس کی وجہ سے وہ غرق ہوئی۔ ان کے بعد اس شوریدہ بخت قومِ عاد کا ذکر ہے جس نے حضرت ہودؑ کی دعوت کی تکذیب کی اور پھر جس کے افسانے دنیا میں باقی رہ گئے۔ وہ کوئی ایسی ویسی قوم نہیں تھی انہیں اپنی ہمعصر اقوام میں بے نظیر مقام حاصل تھا۔ وہ بلند یادگاریں اور بڑی بڑی عمارتیں (کوٹھیاں) تعمیر کرتے تھے (اور ٹھگوں کی طرح ان کے اوپر شاید ھذا من فضل ربی بھی لکھتے ہوں گے۔ اس قسم کی یادگاروں اور عمارتوں کی افادی حیثیت کچھ نہیں ہوتی یہ محض ایسی قوم کے جذبہ تکبر و تعلّی کی تسکین کا سامان فراہم کرتی ہیں۔ وہ قوم علم و عقل۔ جاہ و جلال اور غلبہ و اقتدار کی مالک تھی لیکن ان کا غلبہ و اقتدار بغیر الحق تھا۔ وہ اپنے سے کمزور قوم پر اس قدر آہنی پنجہ سے ہاتھ ڈالتی تھی کہ ان کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیتی تھی۔ یہ تھا ان کا نظام جس کے نتیجہ میں ان کی تباہی ہوئی۔

اس کے بعد قومِ ثمود کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ بھی قومِ عاد کی طرح پہاڑوں کے دامن میں بڑے مستحکم قلعے بناتی تھی جو فنِ سنگ تراشی کے نمونے تھے۔ وہ جاگیردارانہ نظام کو اپنائے ہوئے تھے۔ غریبوں کے جانوروں کو پانی تک پینے نہیں دیا کرتے تھے۔ ہر جابر و مستبد قوم کی طرح' اس قوم کی بھی یہ حالت ہو چکی تھی کہ وہ ملک میں فساد برپا کرتے تھے۔ اس جرم کی پاداش میں وہ تباہ ہوئے۔ قومِ لوطؑ جنسی بدنہادی کی وجہ سے تباہ ہو گئی۔ اس کے بعد سرمایہ دارانہ نظام کی حامل قومِ مدین آتی ہے جو ہر سرمایہ دار کی طرح حقوق العباد میں ڈنڈی مارتی تھی وہ قوم حضرت شعیبؑ کی تکذیب کی وجہ سے تباہ ہوگئی۔ ان کے بعد قومِ فرعون کے متعلق ہے کہ ان کے ہاں ملوکیت۔ سرمایہ داری اور مذہبی پیشوائیت کی یکجا تینوں قوتوں کی جکڑ بندیوں نے قومِ موسیٰؑ کی ہڈیوں کو چکنا چور کر رکھا تھا جس کے جرم میں وہ غرق ہوگئی اور آخر میں رسولِ کریم ﷺ مبعوث ہوئے۔ آپ ﷺ کی ایک حدیث ہے کہ ''سورۃ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا'' انبیاء سابقہؑ کو جن جانگداز مراحل سے گزرنا پڑا تھا انہیں دیکھ کر اپنی ذمہ داریوں کے احساس سے بوڑھا ہو جانا فطری تھا۔ آپ ﷺ نے ان تینوں قسم کی زنجیروں (اصر' اغلال و سلاسل) کو توڑ کر نوعِ انسانی کو آزادی دلائی تا کہ یہ نظامِ خداوندی کے تحت زندگی بسر کریں لیکن خلفائے راشدینؓ کے بعد عقیدت کے مارے مسلمانوں نے ان ٹوٹی ہوئی زنجیروں (اغلال و سلاسل) کی کڑیوں کو چن چن کر اکٹھا کر کے جوڑا اور پھر زمانہ قبل از اسلام سے بھی زیادہ شدت سے کس کر اپنے آپ کو جکڑ لیا اور ان کے اتباع میں بندھے چلے آ رہے ہیں۔ اللہ کا فرمان یہ ہے کہ:

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلاَمِ دِيناً فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ o كَيْفَ يَهْدِي اللّهُ قَوْماً كَفَرُواْ بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُواْ أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللّهُ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَo (۸۶۔۸۵/۳)۔

جو فرد یا قوم دینِ اسلام (اس نظام) کے علاوہ زندگی کے لئے کوئی اور راستہ اختیار کرنا چاہے تو میزانِ خداوندی میں اس کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔ اس سے اس قوم کو مفادِ عاجلہ تو حاصل ہو سکتے ہیں' لیکن مستقبل میں وہ سخت نقصان میں رہے گی۔ رہے وہ بدنصیب جو ایمان لانے کے بعد کفر کی راہ اختیار کر لیں یعنی صحیح اسلامی نظام قائم ہو جانے کے بعد' پھر غیر اسلامی نظام کی طرف لوٹ یا پلٹ جائیں درآنحالیکہ (اس نظام کے درخشندہ نتائج نے) یہ بات واضح کر دی تھی کہ ان کے رسول ﷺ نے جو کچھ کہا تھا وہ کس قدر حقیقت پر مبنی تھا۔۔۔ سو ظاہر ہے کہ جو قوم' صداقت کو اس طرح بے نقاب دیکھ لینے کے بعد بھی اس نظام سے سرکشی اختیار کر جائے تو اس پر زندگی کی کامرانیوں کی راہ کس طرح کھل سکتی ہے؟ (ہماری حالت) (کفر سے مطلب خدا کی ہستی کا انکار نہیں بلکہ خدا کے قوانین سے منکر ہونا

ہے)۔

نزولِ قرآن کے وقت یا یوں کہئے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے مشرکین اور کفار اللہ کی ہستی کے منکر نہیں تھے بلکہ وہ لوگ 'الحق' الذکر' قوانینِ خداوندی یعنی قرآن کریم سے سرکشی اور انکار کرتے تھے اور یہ قرآن کریم کے متعدد مقامات سے ثابت ہے کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ:

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ (۲۹/۶۱)۔

(لیکن ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ یہ خارجی کائنات میں تو خدا کے قوانین کو تسلیم کرتے ہیں لیکن انسان کی دنیا کو اس سے باہر رکھنا چاہتے ہیں۔ مثلاً) اگر ان سے پوچھو کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کو کس نے پیدا کیا ہے اور چاند اور سورج کس کے قانون کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں؟ تو یہ اقرار کریں گے اللہ ہی نے ایسا کر رکھا ہے۔

ان سے کہو پھر تم انسانی معاشرہ کی تشکیل بھی اسی کے قوانین کے مطابق کیوں نہیں کرتے۔ یہاں پہنچ کر تم کیوں الٹے پھر جاتے ہو۔

سورہ لقمٰن میں اللہ کا ارشاد ہے:

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (۳۱/۲۵)۔

ان کی کیفیت یہ ہے کہ اگر ان سے پوچھو کہ کائنات کی بلندیوں اور پستیوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ کہہ دیں گے کہ اللہ نے۔ (لیکن اگر ان سے کہو جب خارجی کائنات خدا کے قوانین کے تابع چل رہی ہے تو تم اپنی معاشرتی زندگی میں وہی قانون کیوں رائج نہیں کرتے' تو یہ اس پر کبھی راضی نہیں ہوں گے۔ ان سے کہو کہ خارجی کائنات ہو یا تمہارا داخلی نظام) ہر جگہ قابلِ حمد و ستائش صرف اللہ کا قانون ہو سکتا ہے لیکن اکثر لوگ عقل و بصیرت سے کام نہ لینے کی وجہ سے اس حقیقت سے بے بہرہ رہتے ہیں۔

سورہ المومنون میں اللہ کا فرمان میں ہے کہ:

قُل لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَن فِيهَا إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ o سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ o (۲۳/۸۴۔۸۵)۔

(تم ان سے زیادہ بحث نہ کرو ان کے نظامِ زندگی کے متعلق بات کرو۔ ان سے پوچھو کہ) اگر تم جانتے ہو تو یہ بتاؤ کہ زمین اور جو کچھ اس کے اندر ہے وہ کس کی ملکیت ہے؟ یہ تسلیم کریں گے کہ یہ اللہ کی ہے۔ تو ان سے کہو کہ کیا اس سے تم اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتے (کہ جو کچھ اللہ کا ہے' اسے اللہ ہی کے لئے رہنا چاہئے' اسے انسانوں کو اپنی ملکیت نہیں بنالینا چاہئے)۔

قُلْ مَن رَّبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِo سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ o (۲۳/۸۶۔۸۷)۔

پھران سے پوچھواِن متعدد آسمان کی بلندیوں (اوران کے اندر جو کچھ ہے ان) کا نشوونما دینے والا کون ہے' اور وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ساری کائنات کی مرکزی ربوبیت کا کنٹرول ہے۔ یہ اعتراف کریں گے کہ یہ بھی خدا ہی کرتا ہے اور ہر شئے پر اسی کا کنٹرول ہے۔۔تو ان سے کہو کہ تم جو اشیائے کائنات پر اس کے کنٹرول کے بجائے اپنا کنٹرول رکھنا چاہتے ہو تو تم اس طرح خدا کا مقابلہ کرنے کے انجام وعواقب سے ڈرتے نہیں؟ کیا تم اس تباہی سے بچنا نہیں چاہتے جو تمہاری اس غلط روش کا لازمی نتیجہ ہے۔

قُلْ مَن بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَo سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ فَأَنَّى تُسْحَرُونَo (۲۳/۸۸۔۸۹)۔

ان سے پوچھو کہ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ وہ کون ہے جس کا اقتدار تمام کائنات پر ہے۔ ایسا اقتدار کہ جو اس کی پناہ میں آ جائے اسے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا' لیکن جو اس کے قوانین سے سرکشی اختیار کر لے اسے کائنات میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ یہ اسے بھی تسلیم کریں گے کہ یہ خدا ہی کے لئے ہے۔ اب ان سے پوچھو کہ ان حقائق کے تسلیم کر لینے کے بعد وہ کونسی بات ہے جس کی وجہ سے تمہیں دھوکا لگتا ہے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہ حق نہیں۔ میں اس کے سوا کیا کہتا ہوں کہ (۱) سامانِ زیست جسے خدا نے تمام انسانوں کی پرورش کے لئے عطا کیا ہے اسے انسانوں کی پرورش کے لئے کھلا رہنا چاہئے۔ اس پر صرف قوانین خداوندی کا کنٹرول ہونا چاہئے۔ (۲) کسی انسان کو اس کا حق نہیں کہ وہ دوسرے انسانوں پر اپنا اقتدار قائم کرے اور ان سے اپنا حکم منوائے۔ اقتدار اور حکومت کا حق صرف خدا کو حاصل ہے۔

بَلْ أَتَيْنَاهُم بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَo (۲۳/۹۰)۔

(بات یہ نہیں کہ انہیں اس باب میں دھوکا لگتا ہے۔ بات وہی ہے جو پہلے کہی جا چکی ہے (۲۳/۷۰) یعنی یہ کہ) ہم ان کے پاس وہ ضابطہ قوانین لائے ہیں جو سرتاسر حق وصداقت پر مبنی ہے (لیکن چونکہ اس کی زد ان کی مفاد پرستیوں پر پڑتی ہے اس لئے یہ اس سے انکار کرتے ہیں۔ اور خدا پرستی کو صرف اس حد تک محدود رکھنا چاہتے ہیں کہ خارجی کائنات میں اس کا اقتدار و اختیار ہے۔۔۔ کیونکہ اس سے ان کی مفاد پرستیوں پر کوئی زد نہیں پڑتی۔۔۔ لیکن ان کی معاشرتی زندگی پر خدا کا کوئی اقتدار و اختیار نہیں (۲۰/۲۱) یاد رکھو خدا کا اس قسم کا اقرار کچھ معنی نہیں رکھتا۔ لہٰذا یہ لوگ اپنے اس

دعوے میں جھوٹے ہیں کہ یہ خدا کو مانتے ہیں۔

ان آیات پر غور وفکر سے کوئی شخص کس نتیجہ پر پہنچے گا؟ کیا اس نتیجہ پر نہیں کہ

خدا کی پرستش۔ پوجا۔ بھگتی اور اس کے نام کے ورد و وظائف کافی نہیں یعنی کچھ معنی نہیں رکھتے جب تک قرآن کے مطابق خدا پر ایمان کے ساتھ کام نہ کئے جائیں۔

خدا پر ایمان کا مطلب؟

قرآن کی رو سے پانچ بنیادی حقیقتیں ہیں جن پر ایمان لانے سے انسان مومن ہو جاتا ہے۔ اللہ۔ یومِ آخرت۔ اس کے ملائکہ۔ کتب اور رسل۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان کے معنی ہیں اس کی ہستی پر یقین۔ اس کی ہر بات پر اعتماد۔ قرآن میں نازل کردہ قوانین پر پورا پورا بھروسہ اور ان کی اطاعت کا عملی اقرار۔ اللہ کبیر المتعال نے انبیائے سابقہ کی طرح اپنے آخری نبی و رسول کریم ﷺ کو حق پر مبنی نظام دے کر بھیجا اور اس کے متعلق تین سورتوں میں دہرایا کہ:

هُوَ الَّذِیْ أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهُ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهِ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُونَ o (۹/۳۳)۔

خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ضابطہ ہدایت دے کر بھیجا یعنی اس نظامِ زندگی کو دے کر بھیجا جو یکسر حقیقت پر مبنی ہے' تاکہ یہ نظام' دنیا کے تمام باطل نظاموں پر غالب آئے خواہ یہ بات ان لوگوں کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے جو ایک خدا کے قوانین کی اطاعت کے بجائے مختلف خداؤں کے احکام کی اطاعت کرنا چاہتے ہیں۔

قرآنی نظام غالب آ کر رہے گا

یہ آیت اپنے مفہوم کے اعتبار سے بڑی اہم ہے اور اس کے غیر قرآنی مفہوم وضع کرنے سے جو غلط فہمیاں بلکہ گمراہیاں پیدا ہوتی ہیں ان کا تقاضا ہے کہ اس کے متعلق ذرا تفصیل سے لکھا جائے۔ اس آیت میں کہا یہ گیا ہے کہ بعثتِ نبی اکرم ﷺ و نزولِ قرآن سے مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسان کے لئے جو نظامِ زندگی (الدین) متعین کیا ہے' وہ انسانوں کے خودساختہ تمام نظامہائے حیات پر غالب آ جائے۔ یعنی انسان اسی نظام کے تابع زندگی بسر کرے اور اس طرح ہر قسم کی غلامی سے نجات حاصل کرے۔

سب سے پہلے یہ سمجھنے کی بات ہے کہ اسلام دین ہے' مذہب نہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ دنیا میں مقابلہ نظامہائے حیات کے مابین ہوتا ہے نہ کہ ذاتی عقائد اور مذہب کے درمیان۔ یہ جو ہم آئے دن اہل مذاہب کے ساتھ مناظروں اور مباحثوں سے ان کے مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی افضلیت ثابت کرتے ہیں' یہ اصولی طور پر بے معنی ہے۔ جب اسلام مذہب ہے ہی نہیں تو اس کا مذاہب سے مقابلہ کیا؟ اسلام ایک نظامِ حیات ہے اس کا دنیا کے نظامہائے حیات کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہئے۔ مثلاً شہنشاہی نظامِ حکومت' آمریت' مغربی جمہوریت' سیکولرازم'

نیشنلزم، انٹرنیشنل ازم، نظامِ سرمایہ داری، سوشلزم اور کیمونزم وغیرہ کے ساتھ مقابلہ۔ قرآن نے جب کہا ہے کہ یہ تمام غیر خدائی نظامہائے حیات پر غالب آ جائے گا تو اس سے یہی مراد ہے۔ مذاہب نے تو اپنی موت آپ مر جانا ہے، اس لئے مذاہب پر غالب آنے کے کیا معنی؟

اسلام ایک نظامِ حیات (الدین) ہے، جسے قرآن کریم کی دفتین میں محفوظ کیا گیا ہے۔ قرآن کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ نظام دنیا کے ہر نظام پر غالب آئے گا اس نظام کے غالب آنے کی ایک شکل یہ ہے کہ جو قوم اس نظام کو اپنے ہاں متشکل کر لے اور اگر کسی دوسرے نظام کی حامل قوم اس نظام کو ناکام بنانے کے لئے اس سے متصادم ہوگئی تو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوگی۔ اس نظام کی حامل قوم، مخالف قوم پر غالب آئے گی۔ عہدِ نبی اکرم ﷺ میں یہ نظام کس طرح متشکل ہوا تھا، اسے قرآن کریم کی آیات (۲۹۔۲۸/۴۸) میں بڑے دلنشین انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس جماعت کو جس کے ہاتھوں یہ نظام قائم ہوا تھا، کہیں امتِ مسلمہ، کہیں جماعت مومنین اور کہیں حزب اللہ کہہ کر پکارا گیا ہے اور واضح الفاظ میں کہا گیا ہے کہ ان پر کوئی قوم غالب نہیں آ سکے گی۔

اسلام کے غلبہ سے مراد؟

اصولی طور پر کہا گیا ہے کہ:

كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِيْ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ o (۵۸/۲۱)۔

اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ وہ (خدا) اور اس کے رسولؐ غالب آ کر رہیں گے، اس لئے کہ خدا (کا نظام) بڑی قوتوں اور غلبہ کا مالک ہے۔

اگلی آیت میں ان قوموں کو جن کے ہاتھوں اس نظام کو غلبہ حاصل ہوگا، حزب اللہ کہا اور اعلان کر دیا کہ:

إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ o (۵۸/۲۲)۔

یہ اللہ کی پارٹی ہے جو یقیناً کامیاب ہوگی اور اس کی مخالف پارٹی جسے حزب الشیطان کہا گیا ہے ناکام رہے گی (۵۸/۱۹)۔

سورہ النساء میں اور بھی واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ:

وَلَن يَجْعَلَ اللّهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلاً o (۴/۱۴۱)۔

اللہ کبھی ایسا نہیں ہونے دے گا کہ کفار مومنین پر غالب آ جائیں۔

اور سورۃ آلِ عمران میں ہے کہ:

أَنتُمُ الأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِيْنَ o (۳/۱۳۹)۔

''تم مومن ہو تو تم سب پر غالب رہو گے''۔

صدرِ اول میں جب جماعتِ مومنین نے اس نظام کو متشکل کیا تھا تو یہ تمام دعاوی سچ ثابت ہو کر سامنے آ گئے تھے۔ یہ دین کے غلبہ اور جماعتِ مومنین کے اعلوّن ہونے کی پہلی شکل تھی۔ آپ دیکھیں کہ ان تمام آیات میں جن میں اس جماعت کے غلبہ و تسلط اور برتری و افضلیت کا ذکر آیا ہے اسے ان کنتم مومنین

سے مشروط کیا گیا ہے اور مومنین کی مدد (نصرت) خدا نے اپنے اوپر فرض قرار دے رکھی ہے (۴۷/۳۰) لیکن یہ صورت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک تم اس نظام کو باقی رکھو گے۔ اگر تم نے اس نظام کو چھوڑ دیا تو تم دنیا کی باقی قوموں جیسی ایک قوم بن جاؤ گے' ہرمزان نے جو کچھ حضرت عمرؓ سے کہا تھا وہ عبرت و بصیرت کی ہزار داستانیں اپنے اندر رکھتا ہے۔

ہرمزان کا حقیقت کشا بیان

جب وہ قیدی ہو کر حضرت عمرؓ کے سامنے آیا تو آپؓ نے اسے کہا کہ ہرمزان میں تم سے ایک اہم سوال کا جواب سننا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ اس سے پہلے حالت یہ تھی کہ تم (ایرانی) ہم عربوں کو اس قدر حقیر اور کمزور سمجھتے تھے کہ ہمارے ساتھ جنگ کرنا بھی اپنے لئے باعث ننگ تصور کیا کرتے تھے۔ اب وہی ہم عرب ہیں اور وہی تم ایرانی۔ لیکن حالت یہ ہے کہ عرب تمہاری سلطنت کے علاقوں کے علاقے فتح کئے جا رہے ہیں۔ تمہارے سپاہی تو ایک طرف افسروں تک کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکے چلے جا رہے ہیں۔ تمہارا شہنشاہ اپنی جان بچانے کے لئے بھاگے بھاگے پھر رہا ہے۔ یہ انقلاب کس طرح واقع ہو گیا؟

اس نے کہا کہ عمرؓ! بات بڑی صاف اور سیدھی ہے۔ پہلے جب ہماری جنگ تمہارے ساتھ ہوتی تھی تو ایک طرف ہم ہوتے تھے اور دوسری طرف تم (عرب)۔ اب جنگ میں ایک طرف ہم (ایرانی) تنہا ہوتے ہیں اور دوسری طرف ''تم اور تمہارا خدا'' ان دو قوتوں کا مقابلہ کرنا ایرانی تو ایک طرف دنیا کی کسی طاقت کے بس کی بات نہیں۔

یہ تھی لا غلبن انا و رسلی کی عملی تفسیر۔ مسلمان دنیا کی غالب ترین قوم تھے جب خدا کا نظام ان کے ساتھ تھا۔ جب انہوں نے اسے چھوڑا تو یہ ''بے یار و مددگار'' رہ گئے۔

انہوں نے اسلام کو چھوڑ دیا

سوال یہ ہے کہ کیا اس قوم نے اسلام کے اصولوں کا اتباع بدستور جاری رکھا تھا یا انہیں چھوڑ دیا تھا۔ اس سلسلہ میں اس مقام پر صرف چند ایک اصولوں کا ذکر کیا جا سکتا ہے وہ بھی اجمالاً۔

(۱) ملوکیت

اسلام نے یہ اصول دیا تھا کہ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے انسانوں سے اپنے احکام کی اطاعت کرائے۔ حکومت کا فریضہ قوانینِ خداوندی کا نافذ کرنا ہے جن کا اطلاق مملکت کے تمام افراد پر یکساں ہوگا۔ حتیٰ کہ ان سے سربراہِ مملکت بھی مستثنیٰ نہیں ہوگا۔ امت کے معاملات باہمی مشاورت سے طے ہوں گے اور معاشرہ میں عزت و تکریم کا معیار' جوہرِ ذاتی اور سیرت و کردار کی بلندی ہوگا۔ نہ کہ موروثی اور خاندانی وجاہت و ثروت۔ اس اصول نے ملوکیت کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ افرادِ معاشرہ کو وہ حقیقی آزادی حاصل ہو گئی جس سے ان کی مضمر صلاحیتیں دنوں میں سرسبز و شاداب ہو کر نکھر اور ابھر آئیں۔ اس قوم نے اپنی ہمعصر اقوام میں جو اس قدر امتیازی

مقام حاصل کرلیا تھا اس کا بنیادی سبب یہی تھا۔

کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے اسلام کے اس بنیادی اصول سے انحراف برت کر، اپنے ہاں ملوکیت کا نظام قائم کرلیا اور اس کا نتیجہ وہی ہوا جو استبدادِ ملوکیت کے تحت ہوا کرتا ہے۔۔۔ یعنی شرفِ انسانیت کی تذلیل۔

(۲) برہمنیت

اسلام نے یہ اصول دیا کہ خدا اور بندے کے درمیان کوئی حاجب اور دربان نہیں ہوگا۔ ہر شخص بلا کسی درمیانی واسطہ کے، براہِ راست قوانینِ خداوندی کی اطاعت کرسکتا ہے۔ اس سے مذہبی پیشوائیت کا خاتمہ ہوگیا اور یوں اس استبداد کی زنجیریں کٹ گئیں جس نے انسانیت کے قلب و دماغ کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ اس آزادی سے انسانوں کو حریتِ فکر و نظر نصیب ہوئی اور وہ تمام رکاوٹیں دور ہوگئیں جو علمی تحقیق اور فکری کاوش کے راستے میں بری طرح حائل تھیں۔ نتیجہ یہ کہ وہ قوم چند دنوں میں علم و بصیرت کی فضائے بسیط میں بے محابہ پرواز کے قابل ہوگئی۔ اس کے بعد اس قوم نے اس اصول سے سرکشی برتی اور اپنے ہاں پھر سے برہمنیت کو رائج کرلیا۔ یہ وہ عذاب ہے جس میں یہ قوم اب تک چلی آ رہی ہے۔

(۳) سرمایہ داری

اسلام نے یہ اصول دیا کہ یہ چیز وجہ ذلتِ انسانیت ہے کہ کوئی شخص روٹی کے لئے کسی دوسرے شخص کا محتاج ہو۔ نظامِ مملکت کا فریضہ ہے کہ وہ تمام افرادِ معاشرہ کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کی ذمہ داری لے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہوگا کہ ذرائع پیداوار افراد کی ملکیت کی بجائے مملکت کی تحویل میں رہیں اور فاضلہ دولت کسی شخص کے پاس نہ رہے۔ اس سے جہاں تمام افرادِ قوم رزق کی پریشانیوں سے محفوظ ہوگئے، وہاں معاشرہ ہوسِ زراندوزی کی لعنت سے بھی پاک ہوگیا۔ اس قسم کے نظام میں عروج و ارتقاء کی راہیں جس برق رفتار سے کشادہ ہوتی جاتی ہیں، اس کی شہادت تاریخ کے اوراق سے مل سکتی ہے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب اس قوم نے ملوکیت کو اپنے ہاں پھر سے رائج کرلیا تو نظامِ سرمایہ داری کی لعنت بھی ساتھ آ گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ ملوکیت، مذہبی پیشوائیت، سرمایہ داری ایک ہی شجرۃ الزقوم کے برگ و بار ہیں۔ جب یہ قوم اسلامی اصولوں پر کاربند تھی تو حالت یہ تھی کہ بائیس لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی سلطنت کے سربراہ (عمر فاروقؓ) کے تہبند پر دس دس بارہ بارہ پیوند لگے ہوئے تھے لیکن جب ان میں ملوکیت بار پا گئی تو کیفیت یہ تھی کہ اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک جب (سیر و تفریح کے لئے نہیں) حج کے لئے چلا ہے تو چھ سو اونٹوں پر صرف اس کے کپڑے لدے ہوئے تھے۔ کیا اس کے بعد بھی یہ تحقیق کرنے کی ضرورت ہوگی کہ اس قوم نے اسلامی اصولوں کو چھوڑ دیا تھا یا باقی رکھا تھا؟

(۴) غلامی

ظہورِ اسلام کے وقت جو غلام اور لونڈیاں عرب معاشرہ میں موجود تھے، قرآن نے انہیں رفتہ رفتہ معاشرہ کا جزو بنا

دیا اور آئندہ کے لئے اس لعنت کو ختم کر دیا۔ معاشرہ میں جذب کردہ غلاموں کو مقام کیا دیا تھا اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگائیے کہ جب حضرت عمرؓ سے ان کی شہادت کے وقت کہا گیا کہ اپنے جانشین کے بارے میں اپنی رائے دیں تو آپ نے کہا کہ اگر حذیفہؓ کا آزاد کردہ غلام سالمؓ موجود ہوتا تو میں خلافت کے لئے اس کا نام تجویز کرتا۔ (یہ اثر تھا رسول اللہ ﷺ کی رفاقت اور تربیت کا۔ (بخاری کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر ایک Raisin برابر سَر والا اتھوپیا کا رہائشی (حبشی غلام) بحیثیت سربراہِ مملکت تمہیں کتاب اللہ کے مطابق لے چلے تو اس کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا)۔ لیکن کچھ عرصہ بعد اس قوم نے شرفِ انسانیت کے اس اصول کو ترک کر دیا اور اپنے ہاں غلامی کو پھر رائج کر لیا۔ نتیجہ یہ کہ اپنے آپ بن بیٹھنے والے خلیفہ کے حرم میں ہزاروں کی تعداد میں لونڈیاں ہوتی تھیں اور بغداد میں ان کی خرید و فروخت کی منڈی کے لئے ایک بازار مخصوص تھا جہاں حکومت کی زیرِ نگرانی انسانیت بکتی تھی۔ اس کے بعد بھی کچھ اور کہنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ اس قوم نے اسلام کے اصولوں کو چھوڑ کر پھر سابقہ روش اختیار کر لی تھی یا نہیں؟

(۵) تکریمِ انسانیت

اسلام نے یہ اصول دیا تھا کہ پیدائش کے اعتبار سے تمام انسان، صرف انسان ہونے کی جہت سے یکساں واجب التکریم ہیں۔ اس ایک اصول نے نسلی اور خاندانی تفاوت و امتیازات کی ساری عمارت منہدم کر کے رکھ دی اور وہ خطۂ ارض، مساواتِ انسانیہ کے نور سے جگمگا اٹھا۔ اس معاشرہ میں حبش کا ایک غلام (بلالؓ) سردارانِ قریش سے زیادہ واجب التعظیم قرار پا گیا کہ سیرت و کردار کی رو سے وہ ان سے ممتاز تھا اور امیرالمومنین (حضرت عمرؓ) کے جنازہ کی نماز پڑھانے کے لئے روم کے ایک مزدور (صہیبؓ) کو منتخب کیا گیا۔ نسلی امتیازات اور گروہ بندانہ تفریقات کے مٹنے کا ایک نتیجہ یہ بھی تھا کہ امت میں وحدت پیدا ہو گئی۔ یہ وہی چٹان تھی جس سے ٹکرا کر مخالفت کی ہر قوت پاش پاش ہو جاتی تھی۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے پھر نسلی امتیاز کو بیدار کر لیا۔ جس کا پہلا نتیجہ یہ ہوا کہ امت کی وحدت پارہ پارہ ہو گئی۔ معزز قارئین کیا آپ نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ خلافتِ راشدہ تک تو سلطنت امت مسلمہ کی تھی لیکن اس کے بعد مختلف خاندانوں کی حکومتیں قائم ہوئیں۔ امت کی حکومت کہیں قائم نہیں ہوئی۔ یہ حکومتیں بنوامیہ۔ بنوعباس۔ بنوفاطمہ کی تھیں اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ دنیا میں کوئی ایک بھی مسلم ملک ایسا نہیں جہاں رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کی سنت کے اتباع میں خلافت علیٰ منہاج رسالت ﷺ یعنی قرآنی نظام قائم ہو۔ اس کا نتیجہ ہے وہ مسلسل ذلت و رسوائی کا عذاب جس میں ہم مسلمان ماخوذ چلے آ رہے ہیں۔ کیا اب بھی یہ تحقیق کرنے کے لئے ایک کمشن بٹھانے کی ضرورت باقی ہے کہ اس قوم نے دین کو چھوڑ رکھا ہے یا نہیں؟

معزز قارئین! آج ۷ جون ۲۰۰۸ء ہفتہ کا دن ہے۔ دوپہر کو جیو ٹی وی کے پلیٹ فارم پر الف پروگرام میں مذہبِ

اسلام اور دوسرے مذاہب کے تقابل کے سلسلہ میں چار پاکستانی مسلم سکالرز (جنہیں دین اور مذہب میں فرق معلوم ہی نہیں) بڑے جوش وخروش سے اپنے اپنے علم کی دھاک بٹھاتے ہوئے بحث میں ایک دوسرے سے الجھتے ہوئے دکھائی دیئے۔ اسی وقت اس پروگرام کے درمیان بریکنگ نیوز سنائی گئی کہ ملتان میں ایک عورت کو فاقہ کشی کی وجہ سے چار بچوں سمیت اقدامِ خودکشی کے جرم میں پولیس نے گرفتار کرلیا ہے۔ یہ خبر سن کر بڑا دکھ ہوا اور حیرت ہوئی ٹیلی ویژن پروگرامز میں آنے والے ایسے تعلیم یافتہ مسلم حضرات کی حالت پر جو کبھی اجتماعی نظامِ زندگی یعنی قرآنی نظام (جس میں رات کو کوئی بھوکا نہ سوئے) کی بات تک نہیں کرتے جس کے نہ ہونے کا یہ نتیجہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آصف جلیل، کراچی
asif.jalil1@gmail.com

حضرت انسان قرآن کے آئینے میں

(قسط ۴)

وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَان (4:140)۔

اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں، (ورنہ) تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کر سکتے ہیں وہ کسی دوسرے کی بات کیوں مانیں گے۔ لہٰذا ان کے ساتھ کسی قسم کی بات کرنا یا ان کی محفل میں بیٹھنا صحیح نہیں ہے۔ یعنی یہاں یہ اصول بھی آ گیا کہ آدمی ان لوگوں سے بھی پہچانا جاتا ہے جن کے ساتھ وہ اٹھتا بیٹھتا ہے۔

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَلَهٗ سَبِيْلًا (4:142)۔

وہ درمیان میں ہی معلق ڈگمگا رہے ہیں، نہ پورے ان کی طرف نہ صحیح طور پر ان کی طرف اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دے تو تو اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا۔

یہ منافقوں کی ذہنی کیفیت بتائی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ تذبذب کی حالت میں رہتے ہیں۔ ایمان لانے والے اور انکار کرنے والے تو اپنے اپنے عقائد میں بالکل واضح ہوتے ہیں۔ لیکن جہاں کبھی انکار اور کبھی اقرار کی بات ہو وہاں انسان کی اپنی حالت بھی عجیب ہوتی ہے۔ اسے ہر موقع پر دیکھنا پڑتا ہے کہ یہاں کیا بات کرنی ہے۔ ان کی ایسی کیفیت کی وجہ سے ایسے

لوگوں پر اعتبار اُٹھ جاتا ہے۔ آج لوگوں کے مابین کتنا اعتماد ہے اس کا اندازہ آپ خود کرلیں۔

وَ قَالَتِ الْیَھُوْدُ وَ النَّصٰرٰی نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَ اَحِبَّآؤُہٗ قُلْ فَلِمَ یُعَذِّبُکُمْ بِذُنُوْبِکُمْ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَ لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَھُمَا وَ اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ (5:18)۔

یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں' آپ کہہ دیجئے کہ پھر تمہیں تمہارے گناہوں کے باعث اللہ کیوں سزا دیتا ہے؟ نہیں بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک انسان ہو وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے' اور جسے چاہتا ہے عذاب کرتا ہے' زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

مسلمان اپنے آپ کو اللہ کا بیٹا تو نہیں کہتے لیکن اللہ کے محبوب ہونے کے دعویدار ضرور ہیں۔ یہی سوال ان سے بھی ہوگا کہ وہ پھر عذاب کی سی کیفیت سے کیوں گزر رہے ہیں؟ دنیا بھر میں بدنام کیوں ہیں؟ خوف اور بھوک کے عذاب میں کیوں مبتلا ہیں؟ اللہ کے قانون کے احاطے سے کوئی بھی باہر نہیں ہے۔

وَ اِذَا قِیْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَ اِلَی الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَنَا اَوَ لَوْ کَانَ اٰبَآؤُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَّ لَا یَھْتَدُوْنَ (5:105)۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کی طرف اور رسول کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہیں کہ ہم کو وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا' کیا اگرچہ ان کے بڑے نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں۔

اگر آج ہم اپنے معاشرے پر نظر ڈالیں تو صاف نظر آئے گا کہ ہم اللہ کے نازل کردہ پیغام کا اتباع کس حد تک کر رہے ہیں اور ہمارے آباء واجداد کے مسالک وعقائد کا ہماری زندگی میں عمل دخل کتنا ہے۔

وَ مِنْھُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْکَ وَ جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِھِمْ اَکِنَّۃً اَنْ یَّفْقَھُوْہُ وَ فِیْٓ اٰذَانِھِمْ وَقْرًا وَ اِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَۃٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِھَا حَتّٰٓی اِذَا جَآءُوْکَ یُجَادِلُوْنَکَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ ھٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ (6:25)۔

اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ آپ کی طرف کان

لگاتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردہ ڈال رکھا ہے اس سے کہ وہ اس کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے اور اگر وہ لوگ تمام دلائل کو دیکھ لیں تو بھی ان پر کبھی ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے خواہ مخواہ جھگڑتے ہیں' یہ لوگ جو کافر ہیں یوں کہتے ہیں کہ یہ تو کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں ہیں جو پہلوں سے چلی آ رہی ہیں۔

ہمارے لیے غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ہم جس طرح قرآن کریم کو بغیر سوچے سمجھے پڑھتے ہیں وہ کس زمرے میں آتا ہے؟ قرآن کریم کے احکامات کے سامنے ہمارے کسی قسم کے عقائد کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ قرآن کریم میں کہیں نہیں لکھا کہ اسے محض پڑھنے سے (وہ بھی سمجھے بغیر) ثواب ہوتا ہے۔ ایسے غیر قرآنی نظریات کو نبی کریم ﷺ سے بھی منسوب کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِیْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (6:33)۔

ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو ان کے اقوال مغموم کرتے ہیں' سو یہ لوگ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

آج بھی یہ حال ہے کہ جب قرآن کریم کی آیات لوگوں کو بتائی جاتی ہیں تو وہ طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں۔ کیونکہ ان آیات سے لوگوں کے مروجہ عقائد پر زد پڑتی ہے۔ ایسے میں اگر قرآن کریم پیش کرنے والوں کو دکھ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی ہمت افزائی کرتا ہے کہ یہ میری آیات کی خلاف ورزی کر رہے ہیں ان کے لیے میں ہی کافی ہوں۔

وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (6:136)۔

اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مواشی پیدا کیے ہیں ان لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے، پھر جو چیز ان کے معبودوں کی ہوتی ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتی اور جو چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتی ہے' کیا برا فیصلہ وہ کرتے ہیں۔

ذرا ہم بھی ان خیراتی کاموں کا جائزہ لیں جو ہمارے ہاں رائج ہیں۔ جو کچھ اللہ کے نام پر جمع ہوتا ہے وہ کہاں جاتا ہے۔ چاہے خانقاہوں پر چڑھائے جانے والے چڑھاوے

ہوں یا صدقے کی بکری ہو یا عقیقے کا بکرا ہو ان سب کا زیادہ تر حصہ مخصوص مفاد پسند لوگوں تک پہنچتا ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (7:60)۔

ان کی قوم کے بڑے لوگوں نے کہا کہ ہم تم کو صریح غلطی میں دیکھتے ہیں۔

یہاں سرداروں نے اللہ کا پیغام پیش کرنے والوں کو صریح غلطی میں مبتلا قرار دیا ہے۔ عجب اتفاق ہے کہ آج بھی جب کوئی شخص صرف قرآن کریم کی بات کرے تو اسے بھی اسی طرح کے القاب سے نوازا جاتا ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ (7:66)۔

ان کی قوم میں جو بڑے لوگ کافر تھے انہوں نے کہا ہم تم کو کم عقلی میں دیکھتے ہیں اور ہم بے شک تم کو جھوٹے لوگوں میں سمجھتے ہیں۔

بڑے سرداروں کو عام لوگ بے وقوف ہی نظر آتے ہیں یا جھوٹے لگتے ہیں۔ قرآن کریم کی بات کرنے والوں کو بھی اسی طرح کے الزامات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ (7:75-76)۔

ان کی قوم میں جو متکبر سردار تھے انہوں نے غریب لوگوں سے جو کہ ان میں سے ایمان لے آئے تھے پوچھا' کیا تم کو اس بات کا یقین ہے کہ صالح (علیہ السلام) اپنے رب کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ بے شک ہم تو اس پر پورا یقین رکھتے ہیں جو ان کو دے کر بھیجا گیا ہے۔ وہ متکبر لوگ کہنے لگے کہ تم جس بات پر یقین لائے ہوئے ہو' ہم تو اس کے منکر ہیں۔

یہاں پر بھی سرداروں کی ذہنیت بتائی گئی ہے کہ وہ کمزور لوگوں کو جو اللہ کے پیغام پر ایمان لے آتے ہیں سوال کرتے ہیں کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ حضرت صالح اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ وہ جو پیغام لے کر آئے ہیں ہم ان پر ایمان لائے ہیں لیکن تکبر کرنے والے کہتے ہیں کہ تم جس پر ایمان لائے ہو ہم اس سے انکار کرتے ہیں۔ آج بھی صورت حال یہ ہے کہ جاگیردار' سردار اور وڈیرے یہی چاہتے ہیں کہ ان کے ملازمین اور کمزور لوگ ان کی مرضی کے مطابق عمل کریں۔

وَ مَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ

يَّتَطَهَّرُوْنَ (7:82)۔

اوران کی قوم سے کوئی جواب نہ بن پڑا بجز اس کے کہ آپس میں کہنے لگے کہ ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو۔ یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں۔

یہاں ایک اور حربے کا ذکر ہے جو مخالفین استعمال کرتے ہیں کہ انہیں (یعنی ایمان لانے والوں کو) اپنی بستی سے نکال دیں یہ بڑے پاکباز بنتے ہیں۔حق کی بات کرنے والوں سے یہی سلوک آج بھی ہوتا ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا قَالَ اَوَ لَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ(7:88)۔

ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا کہ اے شعیب! ہم آپ کو اور جو آپ کے ہمراہ ایمان والے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال دیں گے الا یہ کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آ جاؤ۔شعیب (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ کیا ہم تمہارے مذہب میں آ جائیں گو ہم اس کو مکروہ ہی سمجھتے ہوں۔

یہاں پر ایک اور ذہنیت کا اظہار ہے کہ حضرت شعیب اور ان پر ایمان لانے والوں کو بستی سے نکالنے کی دھمکی دی جا رہی ہے یا پھر وہ ان کے مذہب پر لوٹ جائیں۔آج کل شریعت کے نفاذ کے لئے دھمکانے کا نیا طریقہ استعمال ہو رہا ہے۔یعنی اسلحے کے زور پر۔اس کے نتیجے میں بستیاں خالی ہو جاتی ہیں۔

وَ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ (7:90)۔

اور ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ اگر تم شعیب (علیہ السلام) کی راہ پر چلو گے تو بے شک بڑا نقصان اٹھاؤ گے۔

آپ نے سورۃ اعراف کی آیات کے حوالے سے یہ اندازہ لگا لیا ہوگا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی مخالفت کرنے والے کون لوگ تھے اور اس کے لیے وہ کس طرح کے حربے استعمال کرتے تھے۔مخالفین کے لیے قرآن کریم نے ایک اصطلاح استعمال کی ہے ''الملا'' جس کا مفہوم یہ ہے کہ جن کے برتن بھرے ہوں۔آج کی اصطلاح میں تجوریاں بھری ہوں۔یہی لوگ اقتدار میں ہوتے ہیں۔قرآن کریم کی بات کل بھی حقیقت تھی آج بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ القلم

(آیات 1 تا 6)

عزیزانِ من! آج اکتوبر 1983ء کی 28 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ القلم سے ہو رہا ہے: (68:1)۔

حروفِ ابجد کے سلسلہ میں حرف ''ن'' کی توجیہات

اِس سورۃ کی ابتداء ہوتی ہے: نٓ وَالۡقَلَمِ وَمَا یَسۡطُرُوۡنَ [1] (68:1)۔ اِس آیت میں پہلا ہی حرف ''ن'' ہے۔ ایک تو جس طرح سے یہ ابجد کے حروف ''الف ب ت'' لکھے جاتے ہیں' اسی طرح سے یہ ''ن'' بھی ہے۔ اس کے متعلق دو تین توجیہات آئی ہیں۔ قدیم زمانے میں' یہ جو ہمارے ہاں Alphabet' یعنی ابجد کے حروف ''الف ب ت'' ہیں' یہ اس شکل میں نہیں ہوتے تھے' یہ حروف تصویروں کی شکل میں لکھے جاتے تھے۔ اس زمانے میں ''ن'' جو لکھا جاتا تھا' وہ کچھ ایسی شکل تھی جیسے ایک پتلی سی لمبی مچھلی ہو۔ ایک تو اسے عربی زبان میں مچھلی کے معنوں میں بھی لیا جانے لگا' جیسے حضرتِ یونسؑ کو ذوالنون کہا گیا ہے یعنی مچھلی والا۔ تو گویا ایک تو اس ''ن'' کے معنی' اس اعتبار سے' مچھلی کے لیے جاتے تھے۔ پھر اس کے بعد آگے چل کر انہی نے' اس سے معلوم نہیں کس بناء پر' اس کے معنی ''اجمالی علوم'' کے لیے یعنی جن میں تفاسیر نہ ہوں۔ علامات یا اشارات کی رو سے' خود علم کے معنوں میں بھی اِسے لینے لگ گئے۔ جب اسے علم کے معنوں میں لیا تو پھر اسے قلم کے ساتھ ملایا تو روشنائی یا جسے انک (Ink) کہا جاتا ہے' اس کے معنی ہو گئے۔ اِس کے معنی دوات کے بھی لیے جانے لگے۔ قلم کی نسبت سے اس کے معنی قلم اور دوات بھی لیے جانے لگے۔ اس کے بعد' غالباً وہی جو پہلی شکل تھی' ذرا سی باریک سی' لمبی سی' اس اعتبار سے عربوں کے ہاں ''ن'' تلوار کے معنوں میں بھی استعمال ہونے لگ گیا۔ اب یہاں میں آپ کو ایک اصول بتا دوں' جسے قرآن میں تدبر کہتے ہیں' جسے غور و فکر کہتے ہیں۔ یہ ایک بڑی بنیادی چیز ہے اور چونکہ میرا مسلک ہی اس انداز سے قرآن میں تدبر کا ہے اس لیے بھی اس کی ذرا تفصیل ضروری ہے۔

---

[1] (اے رسولؐ! یہ مخالفین کہتے ہیں کہ تو دیوانہ ہے۔ اِن سے کہو کہ) ذرا دوات اور قلم اور جو کچھ اِس سے لکھا جاتا ہے (یعنی علم کی بارگاہ) سے پوچھو۔ وہ یہ شہادت دیں گے کہ کیا دیوانے اسی قسم کے ہوتے ہیں اور ایسی ہی تعلیم پیش کرتے ہیں جیسی تُو اس کتابِ عظیم میں پیش کر رہا ہے؟ (مفہوم القرآن۔ پرویز)

مرادفات کا مفہوم

عزیزانِ من! جیسا کہ آپ نے مختلف درسوں میں دیکھ لیا ہوگا کہ عربی زبان کے الفاظ میں سے ہر لفظ کے متعدد معنی ہوتے ہیں لیکن وہ اس لفظ کے مرادفات نہیں ہوتے کہ ایک کی جگہ دوسرا لفظ لے آیا جائے تو معنی بالکل وہی ہوں۔ یہ تو اصل میں شاعری کے لیے فارس والوں نے فارسی میں یہ انداز اختیار کیا تھا کہ شہد بھی ہے اور انگبیں بھی ہے کیونکہ شعر کی نسبت سے مختلف الفاظ چاہئیں۔ عربی زبان میں ایک ایک چیز کے لیے سینکڑوں الفاظ آتے ہیں لیکن ان کے معنی میں اتنا فرق ہوتا ہے کہ کوئی لفظ بعینہٖ انہی معنوں میں دوسری جگہ استعمال نہیں ہوتا۔ یہ مرادفات کہلاتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ اب جو تدبر والا ہے اُسے دیکھنا یہ ہوگا کہ ان معنی میں سے کونسا معنی اس مقام پر Fit in (لاگو موزوں) ہوتا ہے۔ اس مقام سے مطابقت کھاتا ہے جہاں قرآن نے اسے استعمال کیا ہے۔ یعنی اس مقام پر ان الفاظ کے معنی میں سے کونسا معنی لیا جائے گا۔ ایک تو یوں دیکھنا ہوتا ہے اور دوسرا طریقہ قرآن نے خود بتایا ہے۔ یہ تصریفِ آیات کا ہے۔

قرآن فہمی کے لیے تصریف آیات کا طریق ضروری ہے

قرآنِ کریم کے سمجھنے کا دوسرا طریقہ تصریفِ آیات ہے۔ ایک ہی چیز قرآن میں مختلف مقامات پر دہرائی جاتی ہے اور یہ اس کا خاص انداز ہے۔ اگر وہ مقامات سامنے ہوں جہاں وہ چیز بار بار آئی ہے تو ہر مقام پہ اس کے معنی خود متعین ہو جاتے ہیں۔ ایک تو تدبر کرنے والے کے لیے ضروری ہوگا کہ جو لفظ سامنے آیا ہے اس کے جو مختلف معنی ہیں، وہ معنی اس کے سامنے ہوں۔ پھر اسے یہ دیکھنا ہوگا کہ اس میں سے کونسا معنی اس مقام پر جہاں آیت میں یہ لفظ آیا ہے، وہاں یہ مطابقت کھاتا ہے، Fit in (لاگو موزوں) ہوتا ہے، اور اس کی سند اس کے پاس ہونی چاہیے۔ ایک تو لفظی معنی کی سند ہے وہ تو بہرحال زبان کے اعتبار سے ہوگی اور یہ جو معنی اس نے ان معنی میں سے منتخب کیے ہیں اس کی یہ سند ہو کہ قرآن کے دوسرے مقام پر یہ ان معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اگر اس کے پاس دو سندیں ہیں یعنی زبان کے اعتبار سے سند ہو کہ اس لفظ کے یہ معنی بھی لغت میں آتے ہیں اور قرآنِ کریم کی دوسری آیات سے اس کے معنی جو مرتب یا متعین ہوتے ہیں، وہ سامنے ہوں، اس طرح اگر دونوں چیزیں اس کے سامنے ہوں تو یہ اس کا قرآن کا تدبر یا اجتہاد کہلائے گا۔ اب یہ ہوسکتا ہے کہ یہ شخص کسی ایک وقت میں اپنے اسی تدبر سے ان معنی میں سے کسی ایک معنی کو لے۔ انسان ہے اس کی فکر بڑھتی رہتی ہے، تدبر کی نئی نئی راہیں کھلتی رہتی ہیں۔ کسی اور مقام پہ اس نے دیکھا کہ یہ دوسرے معنی زیادہ موزوں نظر آتے ہیں تو وہ اسے اختیار کر سکتا ہے۔ اسے اختلاف نہیں کہا جائے گا۔

مفہوم کے لیے سند ضروری ہے

عزیزانِ من! اس کے پاس سند وہ ہونی چاہیے کہ یہ جو معنی وہ لے رہا ہے' زبان کے اعتبار سے' عربوں کے ہاں مستعمل تھے' قرآنِ کریم کے دوسرے مقام سے اس کی تائید ہوتی ہے اور تیسری ایک اور چیز ہوتی ہے: قرآنِ کریم کی من حیث الکل بھی ایک تعلیم ہے' وہ ایک تصور دیتا ہے' اُس کے اندر بھی اس معنی کو fit in (لاگو' موزوں) ہونا چاہیے۔ مثلاً وہ علم کی بڑی تعریف کرتا ہے۔ یہ کلی قرآن کا اصول ہے۔ کسی جگہ جہالت کی تعریف نہیں کی جائے گی کیونکہ یہ بات اس کے خلاف چلی جائے گی۔ یہ تینوں چیزیں سامنے ہوں تو پھر اسے تدبر فی القرآن کہتے ہیں۔ اب یہاں پر جہاں تک ''قلم'' کا تعلق ہے قرآن نے جہاں یہ بتایا ہے' اس کے لیے ہمارے پاس قرآن کی واضح دلیل موجود ہے۔ قرآن نے کہا ہے کہ اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (94:4)۔ اس کے لفظی معنی یہ آئیں گے کہ خدا وہ ذات ہے کہ جس نے انسان کو قلم کے ذریعے سکھایا۔ ایک جگہ آیا ہے کہ عَلَّمَهُ الْبَيَان (55:4) اس کو باتیں کرنا سکھایا۔ ''سکھایا'' کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس نے اس میں سیکھنے کی صلاحیت رکھ دی۔ انسان میں قوتِ گویائی سے اپنا مفہوم بیان کرنے کی صلاحیت ہے۔ اور جہاں کہا کہ ''قلم'' کے ذریعے سکھایا تو اس کے یہ معنی ہو گئے کہ انسان میں تحریر کے ذریعے سے اپنا مفہوم بیان کرنے کی صلاحیت ہے۔ قرآن نے یہ دونوں چیزیں کہی ہیں: ''قلم'' کے ذریعے یعنی تحریری طور پر بھی مفہوم بیان کرنا اور قوتِ گویائی سے یعنی بول کر بھی مفہوم بیان کرنا۔ ہمیں قرآن سے سند مل گئی کہ یہاں جو قلم ہے' تو یہ تحریر کے ذریعے سے بات کی جائے گی' یہ اس کے لیے آیا ہے۔ علم کے لیے بھی یہ وَمَا يَسْطُرُوْنَ آیا ہے تو صاف نظر آتا ہے کہ تحریر کے معنوں میں یہ بات آئی ہے۔ اب اگر یہاں ''ن'' کے معنی کوئی روشنائی لیتا ہے' اس کے معنی انک (Ink) لیتا ہے' تو یہ اس اعتبار سے ٹھیک ہونگے۔ ''قلم'' کے ساتھ یہ چیز کہی گئی ہے لیکن وہ جوان کے ہاں ''ن'' کے دوسرے معنی تلوار کے لیے تھے' یہ معنی ان کے لغت میں موجود ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر کوئی یہ معنی لیتا ہے تو قرآنِ کریم سے اس کی تائید کیسے ملے گی۔

قلم کی اہمیت

عزیزانِ من! قرآن نے ''قلم'' کی جو اہمیت بتائی ہے پہلے میں اس میں ذرا دو الفاظ کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ ایک تو عام تحریر بھی ہے۔ خصوصیت سے وحی کے ساتھ قرآن نے یہ کہا کہ انسان کو قلم کے ذریعے' تحریر کے ذریعے' بھی علم کی دنیا میں سندات وتائیدات حاصل کرنے کی صلاحیت دی۔ جو وحی تھی اسے نہ تو قوتِ گویائی کہا جا سکتا ہے' نہ تحریر کہا جا سکتا ہے۔ وہ تو ایک خصوصی چیز تھی جو انبیائے کرام کے ساتھ ہی تھی کیونکہ قرآن نے کہا ہے کہ جبریل نے اسے قلبِ نبوی پر نازل کیا۔ تو جو چیز قلب پر نازل کی جاتی ہے' وہ

تو اُن محسوسات کی چیزوں میں سے نہ تو گویائی میں آتی ہے‘ نہ ہی تحریر میں آتی ہے لیکن یہ وحی صرف خیالات یا Ideas نہیں تھے‘ یہ وحی بالفظ تھی۔ قرآن کے یہ الفاظ بھی وحی کے ذریعے نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوئے جسے قرآن کی عبارت کہتے ہیں۔ اب حضور ﷺ نے اسے دسروں تک پہنچایا۔ تو پہلی چیز تو وحی پہنچانے کی بیان کی تھی۔ گویائی کے ذریعے سے ان چیزوں کو دہرایا‘ صحابہؓ نے دہرایا‘ ان کو زبانی یاد کیا۔ وہ حصہ صرف گویائی کا آتا ہے لیکن قلم کی اہمیت قرآن نے بتائی کہ اس کو تحریر میں بھی لایا گیا۔ اب قرآن کے دیگر مقامات میں یہ موجود ہے۔ قرآن کو تحریر میں لانے والے جو وحی کے کاتب تھے ان کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ وہ بڑے معزز‘ بڑے قابلِ اعتماد‘ بڑے دیانتدار تھے۔ تو گویا نظر آ گیا کہ قرآنِ کریم اس زمانے میں صرف زبانی کلامی نہیں رہتا تھا بلکہ یہ لکھا جاتا تھا اور قرآن نے تو یہ کہا ہے۔ اس زمانے میں ہرن کی کھال زیادہ مضبوط قسم کے کاغذ کی نوعیت میں تھی۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ اس پر لکھا جایا کرتا تھا۔ تو اگر آپ قلم کے معنی تحریر کے لیتے ہیں تو قرآن سے تائید ملتی ہے اور نظر آتا ہے کہ یہ وحی خداوندی حضور ﷺ کے قلب پر القا ہوتا تھا‘ حضور ﷺ پھر ان الفاظ کو جو القا ہوتے تھے صحابہ کبارؓ کو دہراتے تھے‘ زبانی بھی یہ دہرایا جاتا تھا اور صحیح لکھا بھی جاتا تھا۔ تو یہ جو تینوں چیزیں ہیں یہ تو پہلے سے آ گئیں۔ ''ن'' کو اگر آپ روشنائی لیتے ہیں اور ''قلم'' کو یہی تحریر کا جو بیان کرنے کا‘ انداز ہے‘ وہ لیتے ہیں تو اس مَا یَسْطُرُوْنَ کے ساتھ یہ تینوں چیزیں مل جاتی ہیں۔

عزیزانِ من! اب یہاں دوسری چیز یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کبارؓ کے زمانے میں قرآن کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں لکھی جاتی تھی۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اس زمانے میں کوئی اور کتاب تھی۔ اسلام سے پہلے تو عربوں کے ہاں کتاب ہی کوئی نہیں تھی۔ یہ قرآن ان کے ہاں پہلی کتاب ہے اور اس کتاب کے دوران پہلے دَور میں اس کے ساتھ دوسری کتاب ہی کوئی نہیں تھی‘ حتیٰ کہ مجموعہ احادیث جو مسلم کا ہے‘ صحاح ستہ میں بھی جن کو صحیحین کہتے ہیں‘ اس میں پہلے دیباچہ میں‘ یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ مجھ سے قرآن کے سوا کوئی چیز نہ لکھو جس کسی نے جو کچھ لکھا ہو‘ وہ اسے مٹا دے۔ تو گویا قرآن لکھا جاتا تھا اور قرآن کے سوا کوئی دوسری چیز لکھی ہوئی نہیں تھی۔ تو یہ چیز تو قرآن کی بابت آ گئی۔

یہ ''ن'' جو تلوار کے متعلق ہے‘ تو تلوار کی عظمت اور اہمیت قرآن کے ایک ایک صفحہ سے واضح ہے۔ یہ جسے آپ جہاد کہتے ہیں‘ جس کے لیے قتال کا لفظ ہے‘ (جہاد تو ہر قسم کی کوشش کو کہا جاتا ہے‘ ساری زندگی جدوجہد میں گزرتی ہے‘ اسے جہاد کہتے ہیں۔) یہ اس کی آخری منزل ہے جو میدانِ جنگ میں جا کے کوشش کرنی پڑتی ہے۔ اس کے لیے قتال کا لفظ آیا ہے جو عام معنی میں جنگ یا جسے War کہا جاتا ہے تو اس سلسلہ میں تو قرآن حکیم بھرا پڑا ہے اور نبی اکرم ﷺ کی زندگی کا سن 7 ہجری تک کا یہ دَور تو مسلسل ان جنگوں کی ہی تفسیر ہے‘ جو ایسی جدوجہد میں گزرا‘ لہٰذا تلوار کی اہمیت تو موجود ہے لیکن قرآن نے اپنے انداز میں ایک بات بھی کہی ہے کہ جس کے

تحت تلوار کی عظمت کو ہی نہیں بیان کیا بلکہ اس سارے Process (عمل) یا اسلوب اور طریقِ کار کے تحت تبلیغِ دین کے قیام کی بھی وضاحت کی گئی ہے اور جسے ایک سورۃ کے چند الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے' ویسے تو قرآن کا کونسا مقام ہے کہ جس میں دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جا است' وہاں سے نگاہ یا دامن کو وہ کرشمے اپنی طرف کھینچتے ہوئے یہ نہ کہہ رہے ہوں کہ یہیں کھڑا ہو جا' لیکن بعض مقام یا یوں کہیے کہ ہمارے ذوق کے مطابق زندگی کے بعض پہلو اور حقائق کچھ اس طرح ابھرے ہوئے ہوتے ہیں کہ جن کی وضاحت اس سے پیشتر سورۃ الحدید 57 میں بھی آ چکی ہے لیکن میں اُسے یہاں بھی دہرا دینا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ یہ بڑی اہم چیز ہے۔ قرآن نے کہا کہ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ [1] (57:25)۔ انبیائے کرامؑ پر ہم نے وحی نازل کی۔ یہ تدریجی یا By stages والی جو چیزیں ہیں بڑی غور طلب ہیں۔ سوال یہ ہے کہ انبیاء کرام کے وحی کو دوسروں تک پہنچانے اور دین کے نظام کو قائم کرنے کے انداز میں تدریجی منازل کیا تھیں؟ اِن میں پہلی چیز ہے: رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ (57:25) انہیں دلائل اور براہین کے ساتھ بھیجنا۔ یہ کیا بات ہے!

پیغام پہنچانے کی پہلی شرط: دلائل و براہین

عزیزانِ من! پہلی چیز انبیائے کرام کا دلائل کی رو سے اپنے پیغام کو عام کیے چلے جانا ہے۔ اس میں اعتراضات کا جواب دینا' شکوک کو مٹانا' شبہات کا ازالہ کرنا' ہر چیز دلیل کے ساتھ پیش کرنا' آ جاتا ہے۔ قرآن میں بار بار اپنے مخالفین سے یہ چیز کہی گئی ہے کہ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (2:111) اگر تم سچے ہو تو اپنے دعوے میں دلیل لاؤ۔ تو گویا پہلی چیز اپنے دعویٰ کو دلائل کی رو سے صحیح ثابت کرنا ہے اور یہ انداز اختیار کرنا ہے تاکہ قلب اور دماغ دونوں مطمئن ہو جائیں۔ اسی کو ایمان کہتے ہیں تاکہ قلب اور دماغ دونوں کے اطمینان اور سکون کیساتھ کسی چیز کی صداقت کو تسلیم کیا جائے۔ اگر یہ چیز نہیں ہے تو وہ ایمان نہیں ہے' محض رسم ہے' رسم میں نہ دماغ ہوتا ہے' نہ دل ہوتا ہے اور قرآن نے اس سے اس کی شدید تر دید کی ہے۔ رسم وہ چیز ہوتی ہے جو پہلے سے' سلف سے' چلی آ رہی ہو

---

[1] اللہ تعالیٰ نے اپنے نظام کے قیام کے لیے ایسا انتظام کیا ہے کہ اس نے مختلف اقوام کی طرف' اپنے رسولوں کو واضح دلائل دے کر بھیجا ہے اور ہر رسول اپنے ساتھ ضابطہ قوانین بھی لاتا ہے۔ وہ اس ضابطہ قوانین کی رو سے ایسا معاشرہ قائم کرتے ہیں جس میں ہر شخص کا عمل ٹھیک ٹھیک نتیجہ مرتب کرے اور یوں لوگ عدل و انصاف پر قائم رہیں۔ اس معاشرے کے استحکام کے لیے اس نے' ضابطہ قوانین کے ساتھ' شمشیر خارہ شگاف (فولاد) بھی نازل کی ہے جس میں بڑی سختی ہوتی ہے اور چونکہ یہ سختی عدل و انصاف کے نظام کے قیام اور مظلوموں کی حفاظت کے کام آتی ہے اس لیے یہ نوعِ انسان کے لیے مضرت رساں ہونے کے بجائے بڑی منفعت بخش ہوتی ہے۔ (مفہوم القرآن۔ پرویز)

''ساڈے ایویں ہوندا ہوندا اے۔''[1] یعنی اس کے لیے دلیل نہیں' برہان نہیں' The why of it نہیں' کوئی Reason نہیں۔ بھئی! کیوں کرتے ہو؟ جی! ''ساڈے ایویں ہوندا اے۔''[2] ہمارے ہاں یونہی ہوتا چلا آ رہا ہے اور جو اُس طرح ہوتا چلا آ رہا ہے' کے اعتبار سے مسلمان ہو یا ایمان ہو تو قرآن ان سے کہتا ہے کہ تم ایمان لاؤ' ورنہ ہم اسے نہیں مانیں گے۔ کیسے لاؤ؟ فرمایا: دلیل و برہان کی رو سے مانو' یوں مانو تو ایمان کہلائے گا۔ خدا کے ہر نبی نے یہی فارمولا پیش کیا تھا۔ لہٰذا اتباعِ نبوت میں اسی عمل کو ہی پیشِ نظر رکھنا ہوگا' ورنہ اس طریق کے بغیر کوئی بات قابلِ ستائش نہ ہوگی اور اگر کوئی اس حقیقت سے انکاری ہو تو پھر اس کے لیے کوئی زبردستی نہیں' کوئی اکراہ نہیں' کوئی بزورِ شمشیر نہیں۔ سوال یہ نہیں کہ اکراہ کی رو سے کسی کو منوایا جائے۔ قرآن خود اس کو ایمان نہیں مانتا بلکہ اس کا تو فرمان ہے کہ آپ خود کوئی بات اکراہ سے مانیں یا آپ منوائیں تو وہ ایمان نہیں ہے۔ اب وہ آ گئے جو دل و دماغ سے' اطمینان کے ساتھ' دلائل و براہین کی رو سے' اسے مانیں تو اُن کے لیے ہے وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ (57:25) اور انہیں ضابطہ قوانین دیا گیا۔ اب یہ دیکھیے کہ کیا عجیب لنک (Link۔ ربط) ہے! وہ قانون کا اتباع ان لوگوں سے کراتا ہے جو قانون کی علت اور منافعت کو دل و دماغ کے اطمینان کے ساتھ سمجھ چکے ہیں کہ یہ واقعی حق ہے' یہ ہونا چاہیے اور اس کا اتباع ہمارے لیے' نوعِ انسانی کے لیے' منفعت کی بات ہے۔ کتاب ان کے لیے ہے جو پہلے دلیل و برہان سے' بات کی صداقت کو' مان لیں۔ قرآن کی اہمیت کو تسلیم کر لیں تو ان کے لیے کتاب ہے۔ یہ کتاب یا قانون کاہے کے لیے دیا گیا ہے؟ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (57:25) تاکہ تم لوگوں کے معاملات انصاف اور عدل کے ساتھ طے کر سکو۔

عزیزانِ من! آپ کو یاد ہوگا یہ دو تین مقامات میں آیا تھا کہ عدل کسے کہتے ہیں۔ ہمارے ہاں جو چیز بھی مروجہ قانون کے مطابق طے ہو جائے' اسے کہیں گے کہ عدل ہوا ہے لیکن قرآن کہتا ہے کہ جس قانون کی رو سے تم نے طے کیا ہے اگر وہی قانون عدل پہ مبنی نہ ہو تو یہ عدل کیسے ہو گیا؟ بیّنت یعنی دلائل و برہان کی رو سے قانون کی صداقت کو بھی منوانا لازمی ہے۔ جنہوں نے اِس قانون کو مانا' انہیں کہا کہ اس قانون کی رو سے تم معاملات کا تصفیہ کیا کرو۔ اب یہ سب کچھ کرنے کے بعد وہ لوگ آئے جو یہی نہیں کہ اس عدل کے نظام کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس کے راستے میں روڑے اٹکاتے ہیں' اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم یہ رائج نہیں ہونے دینگے' ہمارے ہاں جو ہوتا چلا آ رہا ہے' وہی ہوتا رہے گا۔ جو مروجہ غلط قانون ہے ہم اس پہ چلیں گے۔ یہ قانون نہیں چلنے دیں گے۔ عزیزانِ من! قرآن کسی سے بجبر نہیں منواتا لیکن جنہوں نے برضائے خود اس کو مانا ہوا ہوتا ہے' وہ اگر اس کے مطابق ایک نظامِ عدل

---

[1] ہمارے ہاں ایسے ایسے ہوتا ہے۔

[2] ہمارے ہاں ایسے ہی ہوتا ہے۔

قائم کرنا چاہتے ہیں' اور اس کے راستے میں کوئی مزاحم ہوتا ہے' تو اس مزاحمت کا ہٹانا بڑا ضروری ہے۔ کوئی اور طریقہ تو ہے نہیں' دلیل و برہان سے تو انہوں نے مانا نہیں' دھاندلی کر رہے ہیں۔

عمل کا نتیجہ خود بتا دے گا کہ سچ کیا ہے

قرآنِ کریم میں بیشتر مقامات پر ان مخالفین سے کہا گیا ہے کہ اِعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ (6:135) ارے بھائی! تم اپنے پروگرام کے مطابق کام کرتے چلے جاؤ' میں اس میں دخل نہیں دونگا لیکن مجھے میرے پروگرام کے مطابق کام کرنے دو' تم اس میں دخل نہ دو' دونوں کے نتائج خود بتا دیں گے کہ کون سچ پر تھا' کون جھوٹ پر تھا۔ یعنی یہ بجائے خود ایک دلیل ہے: کام کے نتیجے سے اس کام کی صداقت کا ثبوت بہم پہنچانا۔ جو ڈاکٹر کہتا ہے کہ مجھے یہ دوائی دے لینے دو' نتیجہ خود بتا دے گا کہ اس نے واقعی بخار کا علاج کیا ہے یا نہیں کیا۔ ٹمپریچر بتا دے گا' تھرمامیٹر بتا دے گا۔ یہ Pragmatic Test (عملیتی آزمائش) کہلاتا ہے جو کسی کام کے نتیجے سے اس کام کی صداقت یا کذب کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے۔ وہ ان چیزوں پہ بھی نہیں آ رہے' ان کو یہ کام نہیں کرنے دیتے' ان پروگراموں پہ نہیں چلنے دیتے۔ وہ جو چیز قائم کرنا چاہتے ہیں یہ اس کے راستے میں روڑے اٹکاتے ہیں' مزاحمت کرتے ہیں' مخالفت کرتے ہیں۔ اب یہ جو کام ہو رہا تھا اس کے لیے تو قرآن نے کہا ہے کہ یہ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ [1] (57:25) ہے۔ ہم اپنے لیے یہ کچھ نہیں کرنا چاہتے' یہ تمہارے ہی بھلے اور فائدے کے لیے کر رہے ہیں۔ آپ سوچیے۔ میں مثال دیا کرتا ہوں کہ اگر کسی گاؤں میں کوئی شخص اپنے طور پہ' اپنے چندے سے' اپنے خرچ سے' ہسپتال قائم کرنا چاہے اور وہ گاؤں والے' وہ وہاں کے مستبد سردار' اس کی مخالفت کریں' وہ ڈنڈے لے کر آ جائیں کہ ہم ہسپتال نہیں بننے دیں گے تو انہیں تو پہلے سمجھایا جائے گا کہ میں یہ کچھ اپنے فائدے کے لیے نہیں کر رہا' یہ تمہارے فائدے کے لیے ہے' تمہارے ہاں اتنے امراض پھیلے ہوئے ہیں' اتنی بیماریاں پھیلی ہوئی ہیں' کہیں سے علاج نہیں ہو رہا' میں یہاں ہسپتال بنانا چاہتا ہوں اور اگر وہ مستبد سردار اس طرح سے روک رہا ہے تو پھر تو ان کو قوت کے زور سے روکنا چاہیے تاکہ وہ ہسپتال بن جائے۔ یاد رکھیے! جسے آپ دین یا اسلام کہتے ہیں' اُس کی ابتداء تو اپنے معاشرے سے ہوتی ہے۔ وہ رب العالمین پوری نوعِ انسانی کے لیے ہے۔ یوں کہیے کہ وہ ان کی بیماریوں کے لیے ہسپتال قائم کرتا ہے۔ اب مزاحمت کرنے والوں کو تو روکنا خود ان مریضوں کے حق میں خدا کی رحمت ہے۔

تلوار کا استعمال صرف منفعتِ انسانی کے لیے ہے

عزیزانِ من! قرآن نے یہ کہا کہ عدل کا نظام قائم کرو اور اس کے بعد کہا کہ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ

---

[1] نوعِ انسانی کے لیے نفع بخش ہے۔

(57:25)اس کے ساتھ پھر ہم نے فولاد کی شمشیرِ جگر دار بھی نازل کی۔ فِیۡہِ بَاۡسٌ شَدِیۡدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ (57:25)اس میں بڑی سختی ہے لیکن یہ تلوار انسانیت کی منفعت کے لیے استعمال ہوتی ہے' اور اس کا مقصد ہے کہ وَلِیَعۡلَمَ اللّٰہُ مَنۡ یَّنۡصُرُہٗ وَ رُسُلَہٗ بِالۡغَیۡبِ (57:25) تاکہ اس سے نکھر کے یہ بات سامنے آ جائے کہ وہ جو خدا کا پروگرام ہے' اس پروگرام کو بروئے کار لانے کے لیے کون کھڑا ہوتا ہے۔ علاوہ دیگر مقامات کے آپ نے دیکھا کہ قرآنِ کریم کے نزدیک خود تلوار' آپ اسے تلوار کہہ لیجیے' تو قوت کی ایک Symbol یا ایک علامت ہے دین کے نظام کے قیام کے لیے بڑی اہم قرار دی جاتی ہے۔ اب اس نظام کو قائم کرنے کے راستے میں جو روڑے اٹکائے' اور عقل و خرد سے' تدبر' تفکر' شعور' برہان اور دلیل کی رو سے نہ مانے' دھاندلی کرے تو انسانیت کی منفعت کا تقاضا ہے کہ پھر اسے قوت کے زور سے روکا جائے۔ جتنی جنگیں نبی اکرم ﷺ اور صحابہؓ کے زمانے کی ہیں وہ ساری مدافعانہ ہیں' دھاندلی کرنے والوں کو روکنے کے لیے ہیں' کہیں جا کے ان کے اوپر حملے کرنے کے لیے نہیں ہیں۔ اور اسی کو کہتے ہیں: منافع للناس۔ اور پھر یہ خالی تلوار نہیں تھی۔ یہ جو وہ سب کچھ پہلے کہتے چلے آ رہے ہیں' ان سب کے ساتھ یہ تلوار ہے' اسی لیے تو قرآن میں ہے کہ یہ بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور اُدھر تمہیں بھی بڑی کامیابی حاصل ہو رہی ہے' نظر آ رہا ہے فتح ہماری ہے۔ میدانِ جنگ میں دشمن کو شکست ہو رہی ہے' اس وقت اگر وہ دشمن صلح کی جھنڈی دکھاتا ہے تو کہا کہ یہ نہ کہو کہ تم بے ایمان ہو' اس لیے شکست سے بچنے کے لیے' صلح کی جھنڈی دکھاتے ہو' اُسے تسلیم کر لو کہ ہم مانتے ہیں۔ اگر وہ تمہیں دغا دے گا تو کوئی بات نہیں' ہم تمہیں مدد دیں گے۔ مان لو کہ وہ ٹھیک کہتا ہے' آگے نہ بڑھو۔ یہ ہے تلوار اور پھر یہ تلوار قرآن کے ساتھ ہے۔ بے ساختہ یہاں پھر اقبالؒ (1877-1938) ہی آ جاتے ہیں۔ انہوں نے قرآن کے مقامات بڑے ہی بلیغ انداز میں واضح کیے ہیں۔ کہا:

سوچا بھی ہے اے مردِ مسلماں کبھی تُو نے
کیا چیز ہے فولاد کی شمشیرِ جگر دار
اس بیت کا یہ مصرعِ اوّل ہے کہ جس میں
پوشیدہ چلے آتے ہیں توحید کے اسرار [1]

اور اس کا استعمال بتا دیا کہ

لا دِیں ہو تو ہے زہرِ ہلاہل سے بھی بڑھ کر
ہو دِیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاق [2]

---

[1] اقبالؒ: ضربِ کلیم' نیشنل بک فاؤنڈیشن' اسلام آباد' 1996' ص۔49
[2] اقبالؒ: ضربِ کلیم' نیشنل بک فاؤنڈیشن' اسلام آباد' 1996' ص۔51

اور دو ایک مقامات میں تو بڑی خوبصورتی سے بات کی ہے:

مومناں را تیغ با قرآن بس است

سوال یہ ہے کہ قرآن اور قوت ہی کیوں؟ کہا کہ

ایں دو قوت حافظِ یک دیگرند

یہ قرآن اور شمشیر دو قوتیں ہیں۔

قرآن اور شمشیر ایک دوسرے کے محافظ ہیں

عزیزانِ من! یہ قرآن اور شمشیر دو قوتیں ہیں۔ قرآن کی ایک قوت ہے۔ صحیح زندگی کے جو اصول ہیں' ان میں اپنی ایک قوت ہوتی ہے۔ حق کی ایک قوت ہے۔ شمشیر کے اندر بھی ایک قوت ہے۔ کہا کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے محافظ ہیں۔ قرآن شمشیر کا محافظ ہے کہ یہ بے راہ نہ ہونے پائے اور شمشیر قرآن کی محافظ ہے کہ کہیں یہ وعظ ہی بن کر نہ رہ جائے۔ قرآن کے راستے میں مزاحمت کے معنی قرآن کا راستہ روکنا ہے تاکہ قوانین خداوندی ایک نظام کے تحت متشکل نہ ہو سکیں۔ اس کی حفاظت شمشیر کرے گی اور اگلی چیز یہ ہے کہ قرآن شمشیر کی حفاظت کرے گا۔ دیکھا کس خوبصورتی سے [1] یہ بات کرتے ہیں اور ساری باتیں قرآن کے ان محکمات کے مطابق ہیں:

ایں دو قوت حافظِ یک دیگرند
کائناتِ زندگی را محور اند

عزیزانِ من! زندگی کی ساری کائنات ان دو قوتوں کے گرد گھوم رہی ہے۔ صداقتِ ابدی کی حفاظت کے لیے تلوار ایک قوت ہے۔ قوت نہایت ضروری ہے بشرطیکہ وہ قرآن کے حصار کے اندر رہے۔ جب یہ چیز ساتھ لی جائے اور قرآن نے جو شمشیر کی قوت کی خود تعریف کر کے اس کی اتنی اہمیت بتائی ہے' وہ لیا جائے تو پھر ''ن'' کے معنی شمشیر لینے میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔ آپ نے غور فرمایا کہ یہ جو دوسرے معنی ہیں' میں نے انہیں کیوں ترجیح دی ہے۔ لغاتِ عربی زبان اس کی تائید کرتی ہے' قرآن اس کی تائید کرتا ہے۔ [2]

---

[1] یہ اشارہ علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ (1877-1938) مفکر اسلام کی طرف ہے۔

[2] اس ساری علمی بحث کو یوں سمیٹا جا سکتا ہے کہ ''ن'' کے معنی تلوار بھی ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے ''ن والقلم'' سے مراد ''شمشیر اور قرآن'' بھی ہو سکتے ہیں یعنی قانونِ خداوندی اور قوتِ نافذہ۔ یہی دو چیزیں ہیں جن سے اسلامی نظامِ مملکت قائم ہوتا ہے۔ قانونِ خداوندی' مملکت کی قوت کی نگرانی کرنے والا کہ وہ بے جا صرف نہ کی جائے۔ اور قوت' قانونِ خداوندی کی نگرانی کرنے والی کہ وہ محض ''وعظ'' بن کر نہ رہ جائے۔

عزیزانِ من! اب یہ چیز Priorities (ترجیحات) کی ہوجاتی ہے کہ تدبر کرنے والے کے نزدیک ترجیحات کون سی ہیں۔ اسے کہتے ہیں کہ ان دونوں معنی میں سے وہ کس کو ترجیح دیتا ہے یا ترجیح دی ہے۔ اگر کوئی دوسرا وہ معنی لیتا ہے تو یہ بات اس کے ساتھ جھگڑنے کی نہیں ہے کہ یہ غلط ہیں۔ شرط یہ ہے کہ اس کے پاس بھی یہ تینوں سندات ہونی چاہئیں: لغت کی سند اور قرآن کے دوسرے مقامات کی سند اور ان دونوں کے ساتھ تیسری سند قرانِ کریم کی کلی تعلیم کی تائید کی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ فلاں مفسر نے یہ لکھا ہے' فلاں محدث نے یہ لکھا ہے' فلاں عالم نے یہ کہا ہے۔ یہ سند نہیں ہے۔ سند یہی ہے جو قرآن نے خود بتائی ہے۔ اس اعتبار سے آپ دیکھیے گا کہ کسی ایک تدبر کرنے والے کا بھی ضروری نہیں ہے کہ عمر بھر کے لیے وہ وہی بات ہو۔ ہوسکتا ہے کہ مزید شواہد اس کے سامنے آئیں جب وہ مزید غور وفکر کرے' قرآن کے اور مقامات سے کچھ اور انکشافات ہوں' تو وہ جو پہلے اس نے ترجیح کے طور پہ اس کے معنی لیے تھے' ان شرطوں کے ساتھ وہ خود ہی اس میں تبدیلی کر دے۔ علمِ انسانی تو بڑھتا چلا جاتا ہے' یہ رکتا نہیں ہے۔ اس لیے کسی ایک دَور کے ایک فرد کا تدبر بھی حرفِ آخر نہیں۔ ہر ایک کو حق حاصل ہے کہ وہ اس سند کے ساتھ خود تدبر کرے۔ اسی طرح کسی ایک دَور کا تدبر بالقرآن قیامت تک کے انسانوں کے لیے سند نہیں ہے۔ علمِ انسانی بڑھ رہا ہے' قرآن کے محکمات اپنی جگہ پر چٹان کی طرح موجود ہیں۔ قرآن نے اسے محور کہا ہے۔ محور وہ شے ہے جو اپنے مقام پہ کھڑی ہو اور ہر چیز جو گھوم رہی ہے وہ اس کے گرد گھومے تو قرآنِ کریم کے یہ حقائق محور ہوں' چٹان ہوں' جو اپنے مقام پہ کھڑے ہوں اور تدبر وتفکر ان کے گرد گھومتا رہے۔ پھر اس کی رو سے جو تدبر ہے وہ یوں ہوگا کہ جوں جوں علمِ انسانی بڑھتا چلا جائے گا' تدبر کی راہیں بھی کشادہ ہوتی جائیں گی۔ قرآن نے تو اپنے ہاں خود بتایا ہے کہ انفس و آفاق میں جو ہماری علامات ہیں' ہم ان سے پردے اٹھاتے چلے جائیں گے اور ہر پردہ اٹھنے کے بعد جو بات سامنے آئے گی وہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ قرآن نے جو کچھ کہا تھا' وہ حق ہے۔ تو یہ پردے ہر دَور میں اٹھتے ہیں۔

عزیزانِ من! کسی ایک دَور میں سارے پردے نہیں اٹھتے۔ دنیا جتنی علم میں آگے بڑھے گی' اتنے ہی پردے اٹھتے جائیں گے۔ خود ہمارا یہ دَور اس پر شاہد ہے۔ اس دور میں تو اس تیزی سے یہ پردے اٹھنے شروع ہوگئے ہیں کہ خود ہی ایک شخص اپنی زندگی میں مثلاً میں ہی اگر اپنے بچپن کے دَور میں دیکھوں اور آج کا زمانہ دیکھوں تو معلوم ہوگا کہ پہلے زمانے میں ہزار سال میں اتنی تبدیلیاں' انقلابات اور انکشافات نہیں آتے تھے' جتنے اتنے عرصے میں آجاتے ہیں۔ اب تو ہر سال کار کا ماڈل بدل جاتا ہے۔ جسے کہتے ہیں' یہ دَور بڑا تیز ہوگیا ہے' انسان کے علم کی ترقی کی رفتار بڑی ہی تیز ہوگئی ہے۔ تو اسی اعتبار سے قرآن کے معنیٰ' مفاہیم' انکشافات' میں ترقی ہوتی چلی جائے گی۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ یہ میں نے اس لیے عرض کیا ہے کہ اگر اس طرح لیے گئے معنی کے ساتھ یہ سند موجود ہے تو پھر اس میں کوئی تعرض نہیں ہے' اس کی مخالفت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ٹھیک ہے یہ ہوسکتا ہے لیکن اگر وہ کوئی سند نہیں دیتا بلکہ بالکل

بلاسند اپنی رائے سے کچھ کہتا ہے یا کسی دوسرے کو کوٹ (Quote۔حوالہ) کرتا ہے کہ اس نے یہ کہا تھا' یہ قرآن سمجھنے کی سند نہیں۔ کسی دوسرے کا سمجھا ہوا قرآن' کسی دوسرے کے لیے سند نہیں ہوسکتا۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ❶ (68:1)۔عزیزانِ من! میں نے آپ کو بتایا ہوا ہے کہ جہاں جہاں بھی یہ چیزیں آتی ہیں جسے مثلاً کہتے ہیں کہ خدا ان چیزوں کی قسم کھاتا ہے' وہاں قسم کھانے کے معنی نہیں ہوتے بلکہ یہ معنی ہوتے ہیں کہ ''یہ چیزیں اس بات کی شہادت دیتی ہیں' جو آگے کہی جاتی ہے اور وہ بات عظیم ہے جو کہی جارہی ہے۔'' کس بات کی شہادت دیتی ہیں؟'' علم کی بارگاہ سے تمہیں شہادت ملے گی' قوت کی بارگاہ سے بھی تمہیں شہادت ملے گی۔شہادت کس بات کی؟ کہا کہ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ (68:2) خدا کے فضل وکرم سے تو پاگل نہیں ہے' تُو دیوانہ نہیں ہے۔قرآن کے دیگر مقامات میں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق کہا کرتے تھے کہ یہ تو پاگل ہے' (نعوذ باللہ)۔ جہاں تک میں نے اس بات پر غور کیا ہے' طبعی طور پہ تو کوئی ایسی بات نہیں تھی جس سے وہ یہ کہیں کہ یہ پاگل ہے۔ایک پاگل پن' دیوانگی اور جنون دوسرا بھی ہوتا ہے اور یہ جنون وہ ہوتا ہے جس کے بغیر کوئی بلند مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔ وہاں پہنچنے پر عقل کے سب تقاضے پیچھے رہ جاتے ہیں' وہ عشق کا تقاضا کچھ اور ہوتا ہے۔ بلند مقصد' اس کی صداقت پر یقین' اس کے حصول کے لیے مسلسل جدوجہد' اور پھر وہ مقام کہ جہاں پھر یہ جو عام نچلی سطح کے وہ نفع اور نقصان کے جو معیار ہیں' پست سطح پہ رہ جاتے ہیں۔ وہاں نفع نقصان کا معیار بدل جاتا ہے' یہ جو نیچے اس معیار والے ہوتے ہیں وہ اسے پاگل کہتے ہیں۔

عزیزانِ من! ہمارے ہاں تو محاورہ ہے کہ ابے! پاگل ہوگیا ہے' اسے اپنے نفع نقصان کا بھی پتہ نہیں۔ یہ نفع نقصان کا پتہ نہیں کیا ہے؟ میں اُن پاگلوں کا ذکر نہیں کررہا ہے جنہیں آپ طبعی طور پر اور Mental Hospital (دماغی امراض کا اسپتال) والے بھی پاگل کہتے ہیں۔ میں اُن ''پاگلوں'' کا ذکر کرتا ہوں جو عشق کی دیوانگی میں اس مقام پہ پہنچتے ہیں جہاں ان کے ہاں نفع اور نقصان کا معیار بدل جاتا ہے۔ یہ جو پست سطح کے لوگ ہوتے ہیں وہ اُسے کہتے ہیں کہ پاگل ہوگیا ہے' اسے تو اپنے نفع نقصان کا بھی پتہ نہیں ہے' لیکن دیوانہ بکارِ خویش ہشیار' یہ دیوانہ اپنے کام میں بڑا ہوشیار ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑا خوبصورت ہے وہ مصرع: خلقِ پسِ دیوانہ و دیوانہ بکارے۔ دنیا پتھر لیے ہوئے' ڈنڈے لیے ہوئے' گالیاں دیتے ہوئے' پاگل کے پیچھے جارہی ہے اور پاگل اپنی دھن میں' اپنے کام کی طرف' چلا جارہا ہے۔ یہ وہ دیوانگی ہے جس پہ ہزار فرزانگی نثار ہوسکتی ہے اور اس دیوانگی کے بغیر دنیا میں کوئی بلند مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ وہ جواب بھی تاریخ میں آتا ہے کہ وہ لوگ آئے تھے اور حضور ﷺ کے چچا کی موجودگی میں انہوں نے کہا تھا کہ آپ یہ چیزیں چھوڑ

---

❶ (اے رسولؐ! یہ مخالفین کہتے ہیں کہ تُو دیوانہ ہے۔ اِن سے کہو کہ) ذرا دوات اور قلم اور جو کچھ اس سے لکھا جاتا ہے (یعنی علم کی بارگاہ) سے پوچھو۔ وہ یہ شہادت دیں گے کہ کیا دیوانے اسی قسم کے ہوتے ہیں اور ایسی ہی تعلیم پیش کرتے ہیں جیسی تُو اس کتابِ عظیم میں پیش کررہا ہے؟ (مفہوم القرآن۔ پرویز)

دیں جو ہمارے خلاف کہہ رہے ہیں۔ آپ ﷺ سے پوچھا تھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ دنیا بھر کی دولت چاہتے ہیں' ہمارے پاس موجود ہے وہ ہم آپ کو دیدیں گے' آپ چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے بڑے بن جائیں وہ پنچائتی نظام ہوتا تھا کہ اس میں جو بڑا آدمی ہوتا تھا وہ سربراہ ہو جاتا تھا' آمر ڈکٹیٹر ہوتا تھا۔ آپ وہ قوت واقتدار چاہتے ہیں' ہم خود آپ کے ہاں دینے کو تیار ہیں اور پھر وہ بڑا دکھتا ہوا پہلو آتا ہے: اگر آپ چاہتے ہیں کہ کسی حسین ترین لڑکی سے آپ کی شادی ہو' ہم آپ کی شادی بھی اس سے کر سکتے ہیں' اور اس عقلِ کل کی دیوانگی کا جواب یہ تھا کہ یہ تو باتیں ہی کچھ نہیں ہیں۔ اگر میرے ایک ہاتھ پہ چاند رکھ دیں اور دوسرے پہ سورج رکھدیں' میں اس سے پھر بھی باز نہیں آ سکتا۔

منزل کے حصول کے لیے دیوانگی

عزیزانِ من! جن کے سامنے وہ بلند مقصد ہوتا ہے' دوسرے واقعی انہیں پاگل کہتے ہیں۔ یہ دیوانگی ہے' دیوانگیٔ عشق ان کے ہاں ہوتی ہے۔ یہ غالب (1797-1869) بھی کس انداز میں بات کر گیا ہے:

بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل

یہ مشہور ہے کہ بلبل پھولوں سے عشق کرتی ہے اور یہ تو پھر آپ نے بہار کے موسم میں دیکھا ہی ہوگا۔ پتہ نہیں' وہ عشق کرتی ہے یا کیا ہے' وہ ٹک ٹک کرتی ہوئی' پاگلوں کی طرح' گلاب کے پھولوں کے پودوں کے اندر پھر رہی ہوتی ہے۔ بلبل کے کاروبار یہ ہیں خندہ ہائے گل۔ غالب (1797-1869) کا انداز اپنا ہے: خندہ ہائے گل' پھول ہنستے ہیں' کیوں؟

کہتے ہیں جس کو عشق' خلل ہے دماغ کا [1]

ان کے نزدیک یہ دماغ کا خلل ہے لیکن اس سے پوچھو کہ یہ دردِ سر نہیں' دردِ جگر ہے۔ وہ اس دیوانگی کا علاج نہیں چاہتا' من لذتِ دردِ تو بدرماں نہ فروشم' نہ فروشم' تیرے درد کی لذت کو میں علاج کے ہاتھوں نہیں بیچنا چاہتا۔ اسی لیے اس کہنے والے نے یہ کہا ہے کہ زندگی میں' باہر کمال خندہ آشفتگی خوش است' کتنا ہی کمال حاصل ہو جائے جو اس کے اندر تھوڑی سی آشفتگی ہے جسے دوسری دنیا اور دوسرے لوگ جو پست سطح والے ہیں وہ اسے دیوانگی کہیں گے' عقلِ کل بھی اگر تم ہو جاؤ تو پھر بھی جنون ضرور ہونا چاہیے کہ اس جنون کے بغیر عقل تو کسی مقصد کے حاصل کرنے کا آزاد حربہ یا Instrument ہوتی ہے' اس کے حصول کے لیے جو اندر سے جوش اٹھتا ہے وہ تو اس جنون کا ہی پیدا کردہ ہوتا ہے۔

---

[1] مرزا اسداللہ خاں غالب: دیوانِ غالب' جہانگیر بک ڈپو' لاہور' 2002' ص۔48

حضورﷺ کے متعلق عجم کی سازشیں

بہرحال حضورﷺ کی سیرتِ طیبہ کے مطالعہ کی وادیوں میں ہی، عزیزانِ من! عمر گزر گئی ہے۔ جو میں نے دیکھا ہے اس میں یہ سوال نہیں تھا کہ معاذ اللہ معاذ اللہ Physically، طبعی طور پر، حضورﷺ پہ کوئی ایسی کیفیت تھی، پھر بھی جنہوں نے نبی اکرمﷺ کی سیرت کو داغدار کر کے پیش کرنے کی کوششیں کی ہیں وہاں یہ بھی چیختے ہیں کہ حضورﷺ کے اوپر معاذ اللہ معاذ اللہ صدر بار ہزار معاذ اللہ مرگی کے دَورے پڑا کرتے تھے۔ یہ سب عجم کی سازشیں ہیں اور پھر مغرب والوں کو تو خدا دے۔ انکی کوئی سیرت کی کتاب اٹھا کے دیکھیے وہ اس چیز کو اہمیت دے رہے ہیں کہ یہ کیفیت تھی اور جب یہ صورت تھی تو پھر وہ کہتے ہیں کہ جی! اس جنون کے عالم کے اندر وہ، معاذ اللہ کچھ پڑھوایا کرتے تھے اور اس کا نام وحی پڑ گیا تھا۔ وحی کی یہ کیفیت تھی، یاللعجب! جس وحی پہ کم از کم ڈیڑھ ہزار سال تو اب بھی ہو گیا ہے، اس پر بلند ترین علم کی دنیا وجد کرتی ہے، اس وحی کے بیان کردہ حقائق کے اوپر، تو کیا وہ دیوانے کی بڑ ہو سکتی ہے! لیکن جب ہم اپنے ہاں خود ہی اس قسم کی چیزیں ان کو دیدیں تو ان کا کیا قصور ہے، وہ کیوں نہ Exploit (استحصال) کریں، انہیں کیا پڑی کہ وہ نبی اکرمﷺ کی سیرتِ طیبہ کی مدافعت کرتے جب کہ ہم ان کو خود ہی یہ میٹریل پہنچا رہے ہیں۔ کس چیز کے خلاف ہم نے انہیں میٹریل نہیں پہنچایا؟ قرآن کہتا ہے کہ نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ○ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ (68:1-2) کیا خوبصورت بات کہی ہے! دنیا بھر کا علم، دنیا بھر کی مزاحمتیں اور کشمکشیں، یہ سب اس چیز کی شہادت دیں گے کہ اے رسول! تو جو کچھ کر رہا ہے، یہ کسی دیوانے کا کام نہیں ہے، کسی پاگل کا کام نہیں ہے۔ وہ تو اگر کبھی ایسا ہو کہ کہیں کوئی چیز عام معیار کے مطابق ہی ہو تو اس قسم کا دیوانہ اس قسم کی پست چیز کی مزاحمت کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ وہ اس لیے کہ کہیں غلط راستہ آ گیا ہوتا ہے۔ عزیزانِ من! وہ ایک بہت اچھا شعر یاد آ گیا:

بھٹک بھٹک کے کہاں آ گیا ہے دیوانے
مقامِ سود و زیاں آ گیا ہے دیوانے

دیوانے کے لیے تو یہ مقامِ سود و زیاں ہے۔ اسے تو اس کے لیے بھٹک جانا ہے، بہک جانا ہے۔ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ (68:2) یہ خدا کی نعمت ہے کہ ان کے معیار کے مطابق وہ جنون و دیوانے پن والی بات نہیں ہے اور اس کے لیے دلیل یہ دی ہے کہ جو سچ مچ کا پاگل ہوتا ہے اس کے کسی کام میں، کسی پروگرام میں، کسی کاروبار میں، کسی اسکیم میں، قرار و استحکام ہوتا ہی نہیں ہے، اس کے نتائج ہی کچھ نہیں نکلتے۔ ایک تو یہ کہ اس کی ہر چیز بے ربط و بے مقصد ہوتی ہے، کسی ایک خاص پروگرام کے تابع نہیں ہوتی، اس میں تسلسل نہیں ہوتا، ربط نہیں ہوتا۔ یہ چیز نہیں ہوتی کہ اس سے یوں کیا جائے گا تو یقیناً اس کا نتیجہ یہ نکلے گا۔ یہ اس میں ہوتا ہے جسے ہم پاگل کہتے

ہیں۔اب میں اُن کا ذکر کر رہا ہوں جن کے ہاں یہ بات نہیں ہوتی۔وہ جو مخالفین تھے اور پھر اس زمانے کے یہ مخالفین تو مشرکین تھے ان کا تو علم بھی اتنا نہیں تھا۔وہ اس قسم کے کاروبار کو جنون ہی کہتے تھے۔کہا کہ اس کی دلیل جو ہم کہتے ہیں کہ تجھے ان کے معیار کے مطابق تو کچھ جنون ہے مگر تو پاگل نہیں ہو گیا' اور دلیل اس کی یہ بات ہے' ثبوت اس کا یہ دیا کہ اِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ [1] (68:3)

ہمیشہ سرسبز و شاداب رہنے والا درخت

اس دیوانگی میں جو کچھ تم کر رہے ہو اس کا نتیجہ صرف ہنگامی طور پہ ہی باعثِ منفعت نہیں بلکہ یہ تو غیر منقطع طور پر ہمیشہ پر مفاد ہونگے اور پھر جتنے بھی مفادات ہونگے وہ قیامت تک برابر برآمد ہوتے رہیں گے۔لہٰذا جسے یہ تمہاری دیوانگی کہہ رہے ہیں' اس دیوانگی کے نتائج تو یہ ہوں گے کہ اِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ (68:3) وہ کہیں Intercept (منقطع) ہی نہیں ہونگے' منقطع ہی نہ ہونگے' کٹیں گے ہی نہیں' اور ہمیشہ ثمر بار رہوں گے۔عزیزانِ من! یہ عجیب چیز ہے جو قرآن نے کہی ہے' اس کو ہمیشہ خیال میں رکھیے کہ صدرِ اول کے بعد سے قرآن یا اسلام کی صداقتیں مسلمانوں کی قوم میں موجود ہی نہیں۔یہ دو بالکل مختلف چیزیں ہیں' ان کو آپس میں نہ ملائیے۔

ہم پیدائشی مسلمانوں کی قوم ہیں

عزیزانِ من! ہمارے ہاں اکثر یہ ہو جاتا ہے کہ ہم اسی کو اسلام سمجھ لیتے ہیں جس کے مطابق مسلمان آج تک زندگی بسر کرتے چلے آ رہے ہیں یا بسر کر رہے ہیں۔یہ مسلمان ایک قوم ہے جو پیدائش کے اعتبار سے بن جاتی ہے۔آپ کو معلوم ہے اور اب تو معلوم ہونا چاہیے' اب تو پورا قرآن دو دفعہ [2] آپ کے سامنے آ گیا ہے۔قرآنِ کریم نے کہا ہے کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (4:136) اے وہ لوگو! جو کہتے ہو کہ ہم مسلمان ہیں' ایمان لاؤ۔قرآن تو ہم سے ایمان لانے کا مطالبہ کرتا ہے۔تو مسلمان کی اور زندگی ہوتی ہے۔اب میں یہ کہونگا کہ مسلمان کی زندگی تو کچھ اور ہوتی ہے لیکن ہم مسلمانوں کی جو زندگی ہے وہ اسلام کی زندگی نہیں ہے۔اس لیے یہ چیز کہی جائے گی کہ مسلمانوں پہ تو یہ بڑی افتاد آن پڑی' ان پہ زوال آیا' تباہی آئی۔اگر آج کے مسلمان کو دیکھیے تو دنیا کی جتنی غیر مسلم قومیں ہیں' وہ ان کے ہاتھوں ذلتیں اٹھا رہا ہے تو کہا جائے گا کہ یہ تو کہا گیا تھا کہ اس کا نتیجہ جو آپ کر رہے ہیں' منقطع نہیں ہوگا' مسلسل متواتر چلے گا' آگے قیامت تک کے لیے چلے گا۔اگر مسلمانوں کی تاریخ پیش کی جائے گی تو اس کے اندر تو آپ کو ذلت اور خواری کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آئے گا۔کیا یہ اجر ہے؟ رسول اللہ' پیدائش کے اعتبار سے اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والوں ہی کے رسول نہیں تھے' وہ پیغام بر

---

[1] تیری سعی و کاوش کا صلہ ایسا ملے گا جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ (مفہوم القرآن۔پرویز)

[2] قرآنِ پاک کا یہ دوسرا دورِ درس تھا۔

تھے'انہوں نے ایک پیغام دیا ہے اور وہ پیغام ہے ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (12:104) تمام نوعِ انسانی کے لیے ایک پیغام دیا ہے' کچھ صداقتیں دی ہیں' کچھ زندگی کے اصول دیئے ہیں۔ قرآن نے جتنے اصول دیئے ہیں اور صداقتیں بیان کی ہیں' عزیزانِ من! دنیا مسلسل ان کو تسلیم کیے چلی آ رہی ہے' ان میں کسی جگہ انقطاع واقع نہیں ہوا ہے۔

سپر پاورز کی چیخ و پکار

عزیزانِ من! اس دَور میں تو پوچھیے نہیں کہ دنیا میں کیا چیخ و پکار مچی ہے۔ اگر آپ نے قرآن کی عظمت کی صداقت دیکھنی ہو تو اس وقت جس کرب میں دنیا کی قومیں مبتلا ہیں' یورپ کی اور امریکہ جیسی سپر پاورز کی' ادھر سے رشیا [1] کی بھی۔ انہیں دیکھیں۔ وہ جس عذاب میں مبتلا ہیں' اس عذاب میں بے ساختہ ان کی زبان سے نکل رہا ہے کہ اے کاش! کہیں ہماری زندگی ایسی ہوتی اور وہ جو ایسی کہتے ہیں تو وہ قرآن کے مطابق ہوتی ہے۔ وہ تڑپ رہے ہیں' انہیں تو کوئی قرآن دینے والا نہیں ہے' کوئی سمجھانے والا نہیں ہے۔ ان میں تڑپ ہے' کرب ہے' اضطراب ہے' یہ بے ساختہ ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے ہاں جتنے زندگی کے مختلف اصول' قواعد' قوانین' دساتیر بنائے تھے ان میں سے ایک ایک فیل ہوتا چلا گیا ہے اور ہر اصول فیل ہونے کے بعد جب کہیں ان کی نگاہ گئی تو انہیں معلوم ہوا کہ ان کے ہاں کوئی بات ایسی تھی جو قرآن کے خلاف تھی۔ عزیزانِ من! وہ بہت باشعور لوگ ہیں۔ اپنے حالات پہ غور کرتے ہیں' پھر یہ دیکھتے ہیں کہ یہ کیوں ہوا ہے۔ تو جب اس کیوں کے اوپر پہنچ کے اس کا تجزیہ کرتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ کوئی بات ایسی تھی جو قرآن کے خلاف ہے۔ معلوم نہیں میرا ایک پمفلٹ آپ کی نظروں سے گزرا ہے یا نہیں۔ میں نے لکھا ہے کہ ''کیا اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے؟'' [2]

یہ ہمارے ہاں کا ایک زباں زدِ خلائق فقرہ تھا۔ عام طور پہ ہمارے ہاں مغرب والے تو پروپیگنڈہ کرتے ہیں اور یہاں چونکہ عقل و فکر سے کام لینا مذہب کے معاملے میں حرام قرار دیا ہوا ہے تو ہماری نئی جنریشن (Generation۔ نسل) اس پروپیگنڈے کا شکار ہو جاتی ہے۔ انہوں نے یہ چیز کہی تھی کہ یہ اسلام چلا ہوا کارتوس ہے' وہ اب چل نہیں سکتا۔ تو میں نے اس پر یہ چیز پہلے لکھی تھی۔ پھر اس کے بعد میں نے ''سلیم کے نام خطوط'' میں بھی ایک بڑا جامع سا مقالہ بھی لکھا تھا۔ مغرب کے یہ جتنے بڑے بڑے دانشور ہیں ان کے اقوال سے میں نے یہ چیز ثابت کی تھی کہ یہ اُس زندگی کی تلاش کر رہے ہیں جو قرآن نے دی ہے۔ تو چلے ہوئے کارتوس کی تو یہ صورت نہیں ہوتی۔

---

[1] یہ اکتوبر 1983ء کی بات ہے۔

[2] اس کا انگریزی ترجمہ Is Islam Failure? کے نام سے ادارہ طلوعِ اسلام' لاہور میں موجود ہے۔

غیر مسلموں کا اعتراض

میرے ہاں ان میں سے لوگ آتے ہیں' بات کرتے ہیں۔ وہ اسی زعم میں مبتلا ہوتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کی بات کرتے ہیں تو اسے اسلام کے اوپر منطبق کرتے ہیں کہ یہ کہاں چل رہا ہے' کہاں ہے یہ نظام آپ کے ہاں؟ جب میں ان کو اِن دونوں میں فرق کر کے بتاتا ہوں اور پھر قرآنِ خالص کو پیش کرتا ہوں تو وہ شعوری طور پہ تو تسلیم کرتے ہیں لیکن پھر وہ اگلا اعتراض کرتے ہیں۔ جس طرح سے پھر وہ مور' ناچنے کے بعد' اپنے پاؤں پہ نگاہ ڈالتا ہے تو پر سمٹ جاتے ہیں' میرے پر سمٹ جاتے ہیں۔ وہ اٹھتے ہیں اور جاتے وقت کہتے ہیں کہ پھر جب یہ کچھ تمہارے پاس ہے تو دنیا میں ذلیل کیوں ہو؟ اس کا جواب کیا دیں؟ قرآنِ کریم نے تو کہا تھا کہ اِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ (68:3) یہ ہے وہ اجرِ رسالت وہ تو ساری نوعِ انسانی کے لیے ہے۔ انسانیت اس سے انکار اور تکذیب نہیں کر رہی۔ وہ اس کی طرف بڑھتی چلی آ رہی ہے۔ صداقت ہے ہی یہی۔ کوئی دوسری صداقت ہی نہیں ہے۔ یہ اجرِ غیر ممنون ہے۔

عزیزانِ من! دو چیزیں تو پہلے آ گئیں: یہ علم آ گیا' قوت آ گئی اور تیسری چیز یہ بتائی ہے۔ یہ بڑی اہم ہے کہ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (68:4) اے رسول! اس قوت اور علم کے ساتھ تمہاری سیرت بڑی بلند ہے۔ تو اب نتائج اس صورت میں نکلیں گے کہ علم ہو' براہین ہو' اس کی رو سے بات کو سمجھایا اور عام کیا جائے۔ استعمال کرنے کے لیے مدافعت کی قوت موجود ہو' اور ان پیش کرنے والوں یا مدافعت کرنے والوں کی اپنی سیرت بلندیوں کے اوپر ہو۔ یہ ہے اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (68:4)

سب سے زیادہ کامیاب ہتھیار کیریکٹر ہے

اے رسول! اگلی بات ہی کردار و سیرت کی بلندی کی ہے جس کی وجہ سے اس قدر کامیابیاں ہو رہی ہیں' ورنہ کتنے ہی صداقت پر مبنی اصول کیوں نہ ہوں' کتنے ہی مدافعت کے سامان کیوں نہ ہوں' پیش کرنے والوں کا اگر اپنا کیریکٹر پست ہے تو کبھی بھی تعمیری نتائج پیدا نہیں کر سکتے۔ اور یہ بڑی چیز ہے' عزیزانِ من! یہاں ہمیں پھر کھڑے ہو جانا پڑتا ہے۔ قرآنِ کریم نے نبی اکرم ﷺ کی بلند ترین سیرت کو عظیم کہا ہے' خلق کہا ہے' کیریکٹر کہا ہے' سیرت کہا ہے' کہیں اخلاق کہا ہے لیکن روحانیت کا نام سارے قرآن میں کہیں نہیں آیا۔ یہ جو روحانی پیشوا ہے یہ بہت بعد کی اختراع ہے۔ روحانیت ہے ہی پاکیزگی سیرت کا نام' بلندیٔ اخلاق کا نام۔ رسول اللہ ﷺ کی جو سب سے بڑی صفت خود خدا بیان کر رہا ہے وہ ''خلقِ عظیم'' ہے' ورنہ خدا یہ کہتا کہ یہ اس لیے ہے کہ تو روحانیت کے بہت بلند مقام پر ہے۔ خدا نے یہ نہیں کہا۔ یہ تو ساری توجہ علم کی طرف سے' تلوار کی طرف سے' اخلاق و سیرت کی طرف سے' ساری توجہ ہٹانے کے لیے ایک چیز دی گئی جس کو یہ روحانیت کہتے ہیں۔ بس جس کے متعلق کہہ دیا جائے کہ صاحب! ان میں بڑی روحانیت ہے' پھر بات آگے

نہیں ہوتی کہ علم بھی ہے یا نہیں' پھر یہ نہیں ہوتا کہ وہ تھپڑ مار دیں تو تھپڑ کا جواب دینے کی طاقت بھی ہے یا نہیں: ہوجا ککھ مسیت دا' اکو الف تینوں درکار' سیدھی گل۔'' [1] یہ ڈگڈگی بجاتے ہوئے چلا جا رہا ہے' عزیزانِ من! میں نے قوت کی بات کی مگر یہ ہیں جنہوں نے یہ کہا ہے کہ ''ہوجا ککھ مسیت دا' اوسارے آون۔ پاؤں کے نیچے روندتے ہوئے تمہیں چلے جائیں۔ رڑکیں وی نئیں اوناں نوں۔ ککھ جو ہویا' کنڈا نہیں۔'' [2] کانٹا نہیں صرف خشک تنکا ہوجا۔ یہ ہے روحانیت۔ اور جب وہ اس سے آگے بڑھے تو خلق کا لفظ آیا۔

سوال یہ تھا کہ خلق میں سیرت کیا ہے۔ کہا کہ صاحب! آپ کرامات کو دیکھیے' کیا آپ یہ باتیں نہیں دیکھتے؟ وہ جتنے اخلاقیات کی دنیا میں پست ہوتے چلے جائیں' اتنے ہی بزرگ تر ہوجاتے ہیں۔

صوفیوں کا فرقہ ملامتیہ

آخر میں صوفیوں کا ایک فرقہ ہوتا ہے۔ وہ ملامتی کہلاتا ہے۔ ان کی ہر روش' ہر بات پر' انہیں ملامت کرنے کو جی چاہتا ہے اور وہ مقربِ بارگاہِ خداوندی ہیں۔ ''ساری عمر نہاندے نئیں ہیگے۔'' [3] آپ نے یہ دیکھے ہونگے۔ یہ جو مجذوب ہوتے تھے یا ہوتے ہیں' ان کا کیا معیار ہے؟ یہ معیار ہے ان کا۔ مگر قرآنِ کریم نے آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے بارے میں برملا کہا ہے کہ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ [4] (68:4)۔ عزیزانِ من! یہ ہے معیار پرکھنے کا: علم کتنا ہے' مدافعت کی قوت کتنی ہے' قوت کو استعمال کس طرح کرتا ہے اور ذاتی سیرت کیسی ہے۔ جب یہ کچھ ہوگا تو پھر کہا کہ فَسَتُبْصِرُ وَ یُبْصِرُوْنَ [5] (68:5)

عزیزانِ من! میں ہر درس میں یہ عرض کرتا ہوں کہ مرنے کے بعد کی جنت اور دوزخ برحق ہے' ہمارا قیامت پر ایمان ہے لیکن قرآن جو یہ تبدیلیاں اور انقلابات بیان کرتا ہے' اس کے نتائج وہیں پر اٹھا نہیں رکھتا۔ اگر وہاں جا کر معلوم ہوا کہ صاحب! ہمارا

---

[1] کھانا پینا چھوڑ دو اور صرف مسجد کا ہو کر رہ جاؤ۔ بس سیدھی سی بات یہ ہے کہ تجھے صرف ایک الف (اللہ) ہی درکار ہے۔

[2] کھانا پینا چھوڑ دو اور صرف مسجد کے ہو رہو۔ بے شک وہ سب آئیں اور تجھے پاؤں کے نیچے روندتے ہوئے چلے جائیں مگر تمہاری کسک تک بھی انہیں محسوس نہ ہو۔ تنکا جو ہوا، کانٹا نہیں۔

[3] وہ عمر بھر نہاتے نہیں ہیں۔

[4] آپؐ کی سیرت بلند ہے اور آپؐ حسن اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ (مفہوم القرآن۔ پرویز)

[5] یہ تو رہی نظری (Theoretical) شہادت۔ اس کی عملی شہادت کے لیے تھوڑا سا انتظار کرو' تمہارے قائم کردہ نظام کے درخشندہ نتائج خود بتا دیں گے کہ پاگل کون ہے؟ (ایضاً)

راستہ غلط تھا تو کیا فائدہ؟ وہاں سے واپس تو آنا نہیں ہے۔ وہ تو یہاں بتایا جائے گا کہ وہ غلط راستہ تھا۔ اسی لیے میں کہہ رہا ہوں کہ جب قرآن یہ انقلابات کہتا ہے تو تمہیں اس کے نتائج کا کہتا ہے کہ وہ تمہیں نظر آ جائیں گے: فَسَتُبْصِرُ وَ یُبْصِرُوْنَ (68:5)۔ اس آیت میں حرف ''س'' بھی ہے، جس کا مطلب ہوتا ہے: ابھی۔ تو یہ کہا کہ اس کے نتائج، اے جماعتِ مومنین! تم بھی ''ابھی'' دیکھ لو گے، یہ بھی ''عنقریب'' دیکھ لیں گے کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں وہ واقعی ہر چیز کی صداقت پر مبنی ہے۔ میں نے کہا تھا کہ اس کے نتائج سے صداقت معلوم ہوتی ہے۔ نتائج قیامت پہ اٹھا رکھیے تو یہاں صداقت کا پتہ کیسے چل سکتا ہے۔ پھر تو یہ ہوگا کہ وہاں چل کے بتا دیں گے جب کہ قرآن کا فرمان تو یہ ہے کہ فَسَتُبْصِرُ وَ یُبْصِرُوْنَ (68:5) کیا پتہ چلے گا؟ کہا کہ عنقریب دیکھ لیں گے، عنقریب یہ بات سامنے آئے گی۔ اور پھر یہاں لفظ ''بصر'' آیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ یہ عقیدے کی بات نہیں ہے کہ ذہنی طور پہ یہ مان لیں گے۔ یہاں تو کہا ہے کہ آنکھوں سے دیکھ لیں گے، نتیجہ ان کے سامنے آ جائے گا۔ کیا نتیجہ سامنے آئے گا؟ بِاَیِّکُمُ الْمَفْتُوْنُ (68:6) یہ نتیجہ سامنے آئے گا کہ ان دونوں میں سے پاگل کون تھا؟ جس نے اپنا فائدہ اپنے ہاتھ سے گم کر دیا پاگل وہ ہے۔ اس کا ابھی پتہ چل جائے گا۔ یہ قرآن ہے۔ یہ ہر بات واضح کر دیتا ہے۔

عزیزانِ من! وقت ختم ہو گیا۔ سورۃ القلم کی آیت 6 تک ہم آ گئے، ساتویں آیت سے ہم دوبارہ لیں گے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ط

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

SOCIAL VALUE SYSTEM

By

Maj Gen (Rtd) Ihsan-ul-Haq

The Quran considers adultery to be such a serious offence that it proceeds to suggest a punishment.

الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مئة جلدة ولاتاخذكم بهما رافة في دين الله ان كنتم تؤمنون بالله واليوم الاخر وليشهد عذابهما طائفة من المؤمنين.

"The adulteress and the adulterer, flog each of them with a hundred stripes and let not pity for them detain you from awarding this punishment as suggested by God, if you believe in Him and the day of reckoning. And, let a party of believers witness their chastisement…" 24/2

Indulgence in free sex results in corruption of the society and breakdown in strong family relationships leading to violent crimes and breakdown of law and order. If a little physical punishment can stop this crime, the Quran does not consider it to be a severe step. Stoning to death is not prescribed by the Quran as a punishment for adultery. In fact, suggesting such a punishment is a flagrant violation of a clear Quranic edict. The Quran also condemns homo-sexuality although it does not proceed to suggest a specific punishment for it. It is left to the people of all ages to do so, if they consider it necessary.

ولوطا اذ قال لقومه اتاتون الفاحشة ماسبقكم بها من احد من العالمين. انكم لتاتون الرجال شهوة من دون النساء بل انتم قوم مسرفون.

"And We sent Lut, when he said to his people; Do you commit an abomination which no one in the world did before you. You come to males with lust instead of females. You are a people exceeding all bounds… " 7/80-81

The act of sex should be restricted between a husband and a wife.

اتاتون الذكران من العالمين. وتذرون ماخلق لكم ربكم من ازواجكم بل انتم قوم عادون..

"Do you come to the males from among the creatures? And leave your wives whom your Nourisher has created for you. Nay, you are a people exceeding limits…" 26/165-166.

The Quran asks Muslims to shrug drugs and easy money.

يسألونك عن الخمر والميسر قل فيها اثم كبير ومنافع للناس واثمهما اكبر من نفعهما....

"They ask you about drugs, which affect your reasoning power; And, money that you can easily make without hard work. Tell them both of them will result in great weakness for you, although in the short term they may look to be conferring advantage on you. The great weakness inherent in them is much more injurious for you as compared to the little advantage that appears to accrue to you …" 2/219

The Quran does not specify the various means of making easy money or things or activities resulting in intoxication. These change with time but their effect is constant in all ages. Reasonable people would be well advised not to go near these two evils.

يايها الذين امنوا انما الخمر والميسر... رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون....

انما يريد الشيطان ان يوقع بينكم العداوة والبغضاء في الخمر والميسر...

"O you who believe, intoxicants and games of chance are only an uncleanness, the devils work; so shun them and it will be good for you. The devil desires only to create enmity and hatred among you by means of intoxicants and games of chance…" 5/89-90

(خمر)خ م ر (Khumr) which has been translated as intoxicant, is actually any drug drink, eatable or activity which clouds or obscures your understanding and reasoning power. This comes up more clearly in 4/43.

يايها الذين امنوا لاتقربوا الصلاة وانتم سكارى حتى تعلموا ماتقولون.....

"O you who believe, do not go near assemblies for consultation (Salat) when you are in a state of intoxication untill you know what you are talking about…" 4/43

There is no truth in a misguided belief, generally held, that intoxicants and easy money were prohibited in stages, allowing their limited use in earlier passages and then, by amending these passages, to impose a total ban. No one passage of the Quran cancels or amends another passage. The ban was complete in the first instance, and there is no permission for a limited use anywhere. Both these practices not only harm the individuals who indulge in them but also corrupt the social fabric of communities. The Quran treats them as social evils and although no punishment is specifically laid down, the spirit of the ban suggests that societies would be well advised to treat them as punishable offences.

God advises the people to set up a society in which humans are treated with dignity and their lives are safe. Blood must not be shed except for genuine reasons.

واذا اخذنا ميثاقكم لاتسفكون دماءكم ولاتخرجون انفسكم من دياركم ثم اقررتم وانتم تشهدون.

ثم انتم هؤلاء تقتلون انفسكم وتخرجون فريقا منكم من ديارهم.....

"And when We made a covenant with you: you shall not shed your blood nor turn your people out of your cities; then you promised and you bear witness. Yet, you it is who would slay your people and turn a party from among you out of their homes… 2/84-85.

In a lawful society, peaceful citizens pledge to live by the law. The law must provide that taking the life of another individual is a culpable offence. The Quran proceeds to suggest a punishment.

وماكان لمؤمن ا ن يقتل مؤمنا الا خطا ومن قتل مؤمنا خطا فتحرير رقبة مؤمنة ودية مسلمة الى اهله الا ان يصدقوا فان كان من قوم عدو لكم وهو مؤمن فتحرير رقبة مؤمنة وان كان من قوم بينكم وبينهم ميثاق فدية مسلمة الى اهله وتحرير رقبة مؤمنة فمن لم يجد فصيام....

"And a believer must not kill another believer except by mistake. And he who kills a believer by mistake should free a believing slave (when slavery has not yet completely been eliminated) and blood money should be paid to his people except if the claimants remit it as an act of grace. But, if he be from a tribe hostile to you, and he is a believer, the freeing of a believing slave suffices. And, if he be from a tribe between whom and you there is a covenant, the blood money should be paid to his people along with the freeing of a believing slave; but he who has not the means should fast for two consecutive months.

And whosoever kills a believer intentionally, his punishment is hell, abiding therein … 4/92-93.

It will be noticed that there is no provision for payment of blood money to escape from the consequences of a deliberate murder. Those who are rendered helpless as a result of murder of an innocent man will be rehabilitated according to the law of the land. But the murderer must suffer the fullest consequence for his action.

وكتبنا عليهم فيها ان النفس بالنفس والعين بالعين والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص فمن تصدق به فهو كفارة له....

"And We had prescribed to them (the people of the book) in their books (applicable to you) that life is for life, and eye for eye, and nose for nose, and ear for ear, and tooth for tooth, and for wounds similar retaliation. But, if the one who has been harmed, wishes to forego, then this act will expiate the punishment of the wrong doer…" 5/45

And do not think that these punishments are harsh. These will ensure a peaceful life for societies. If being harsh to a few wrongdoers as a punishment for their crime can result in a peaceful life for the rest of the society so be it. A deliberate murder of one innocent man is tantamount to the murder of a whole humanity, says the Quran.

من اجل ذلك كتبنا على بني اسرائيل انه من قتل نفسا بغير نفس او فسادفي الارض فكانما قتل الناس جميعا ومن احياها فكانما احيا الناس جميعا.....

"For this reason, We prescribed for the children of Israel that whosoever kills a person, unless it be for manslaughter or for mischief in the land, it is as though he had killed all men. And whosoever saves a life, it is though he had saved the lives of all men…" 5/32

ولكم في القصاص حياة ياولى الالباب لعلكم تتقون.

"And when you follow the deliberate murderer to his bitter end, it results in a renewal of life for the society…" 2/179

This is why the Quran enjoins upon the Muslims to follow the murderer till the logical end, whoever the victim maybe – a Muslim, a non Muslim, a free man, a slave (until slavery was not fully eliminated). And let nobody commit this crime and then escape the consequences because of his wealth and power.

It is the duty of the state to fulfill this obligation and no consideration of any kind must be allowed to interfere with the requirements of justice.

يايها الذين امنوا كتب عليكم القصاص في القتلى الحر بالحر والعبد بالعبد والانثى بالانثى فمن عفى له من اخيه شئ فاتباع بالمعروف واداء اليه باحسان...

"O believers, you must follow the murderer until the ends of justice are met in the matter of the slain: the free for the free, and the slave for the slave, and the female for the female. In the case of homicide not amounting to murder, if some remission is made by the relatives of the slain, it should be allowed according to law…" 2/178

ولاتقتلوا النفس التي حرم الله الا بالحق ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لوليه سلطانا فلايسرف في القتل انه كان منصورا.

"And kill not any person whose killing is not allowed by the law of Allah. And, whoever is slain unjustly, We have appointed the state as the retaliating authority on behalf of his heirs, (the state will surely not rest till justice is done) but let it not exceed in the matter of retaliation…" 17/33

Stealing is another crime for which the Quran has suggested a punishment. When such an economic system is set up which guarantees basic means of honorable living to all, there be no reason for stealing. Hard work is compensated by a dignified wage. People who are temporarily deprived of means of making money, are as a matter of right, rehabilitated until they can again become useful members of the society. In such an environment,

nobody should be allowed to deprive others of their lawful income. They must be prevented from doing so.

والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما جزاء بما كسبا نكالا من الله والله عزيز حكيم. فمن تاب من بعد ظلمه واصلح فان الله يتوب عليه ان الله غفور رحيم.

"As for men and women who steal, take such steps that in future they are prevented from resorting to theft. There should be such a fit punishment for their crime that it deters others from doing so. But, whosoever retraces his steps after having committed this crime, and works for the good of humanity, Allah will reward his good action…" 5/38-39

As to what steps society will take to prevent different types of thefts under various circumstances, it is left entirely at their discretion. The steps might well include the physical cutting of hands in extreme cases. I must explain here that I have translated the Quranic injunction "Faqta'u Aideehuma" (فاقطعوا ايديهما) as " take such steps that in future they are prevented from resorting to theft". This is a perfectly legitimate translation of the word "Qatah" (ع ط ق), which expression has many connotations including preventing and cutting.

The Quran place restrictions on some eatables and allows full use of all others.

يايها الذين امنوا كلوا من طيبات مارزقناكم واشكروا لله ان كنتم اياه تعبدون. انما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وماهل به لغير الله فمن اضطر غير باغ ولاعاد فلا اثم عليه ان الله غفور رحيم.

"O you who believe, eat of the things which We have provided to you and which you like and make the best use of things provided. He has forbidden you only what dies of itself, and blood, and the flesh of swine, and that over which any other (name) than that of Allah has been invoked. Then whoever is driven by necessity, not desiring, nor exceeding the limit, there is no harm in that…" 2/172-173

What dies of itself has been mentioned in more detail in chapter 3 of the Quran.

حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وماهل لغير الله به.... والموقوذة والمتردية والنطيحة وماكل السبع الا ماذكيتم وماذبح على النصب وان تستقسموا بالازلام ذلك فسق....

"For bidden is to you that which dies of itself and blood, and the strangled animals, and that beaten to death, and that killed by a fall, and that killed by goring with the horn, and that which wild beasts have eaten, except what you slaughter, and that which is sacrificed on stones set up for idols, and that you seek to divide by arrows…" 5/3

The implications of "Ma Uhilla Le Ghairillah Beh" ماااهل لغير الله به need to be given deep thought. We translate it as "that on which any other name than that of Allah has been invoked" and in practice we maintain that at the time of slaughter we must recite "Bismillah-e-Allah-o-Akber"بسم الله الله اكبر (in the name of Allah who is great); otherwise the meat is forbidden for eating. This does not appear to be correct thinking. We are allowed to eat meals offered in the homes of the people of the Book.

....وماااهل لغير الله به...

"This day all things which you like to eat (except those forbidden) are made lawful to you. And the food of those who have been given the Book is lawful for you and your food is lawful for them…" 5/3

The people of the book certainly do not formally recite the words which we do at the time of slaughter. I venture to say that invocation of the name of Allah implies that slaughter should take place cleanly, in clean places, in a scientific manner so that the meat is healthy and it should be handled and packed, if necessary, in a healthy manner. This would be in accordance with the laws of Allah, and that is what is important. Of course, one important implication is that animals being slaughtered must not be offerings to idols or institutions of a similar nature. Another important point to note is that the list of things forbidden for eating is complete as given in the Quran. Any alteration of this list is strictly forbidden.

انما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وماااهل لغير الله به.... ولاتقولوا لما تصف السنتكم الكذب هذا حلال وهذا حرام لتفتروا على الله الكذب ان الذين يفترون على الله الكذب لايفلحون.

"The only things forbidden to you are what dies of itself, and blood, and the flesh of swine, and that over which any other names than that of Allah has been invoked. And utter not, for what your tongues describe, the lie: this is lawful and this unlawful, so that you may forge a lie against God…" 16/115-116

Of course, you are not compelled to eat all of what Allah has made lawful to you. You eat only what you personally like to eat. For certain health or other reasons, societies may temporarily ban the eating of certain lawful things for a period of time. But this is not to be a permanent feature. Even the Messenger is not authorized to make unlawful what Allah has made lawful.

ياايها النبي لم تحرم ماحل الله لك...

"O Nabi, why do you forbid that which Allah has made lawful for you…" 66/1

However, it may be noted that Allah has chosen to forbid hunting during the period of pilgrimage.

احل لكم صيد البحر وطعامه متاعا لكم وللسيارة وحرم عليكم صيد البر مادمتم حرما واتقوا الله الذي اليه تحشرون.

"Lawful to you is the game of the sea and its food, a provision for you and for the travelers, and the game of the land is forbidden to you so long as you are on pilgrimage…" 5/96

Business, morality and credibility in transactions of all kinds is stressed in the Quran.

يايها الذين امنوا اتقوا الله وقولوا قولا سديدا.

"O you who believe, keep your duty and speak straight words." 33/70

You should be men of your words.

يايها الذين امنوا لم تقولون مالا تفعلون. كبر مقتا عند الله ان تقولوا مالاتفعلون.

"O you who believe, why should you give your word when you do not intend to act accordingly. It is most hateful in the sight of Allah that you say that which you do not do." 61/2-3.

If you have made a promise, you must fulfill it.

يايها الذين امنوا اوفوا بالعقود....

"O you who believe, fulfill your obligations…" 5/1

You have obligations in business, to your family, to your enemies whom you have given your word and this must be kept under all circumstances.

يايها الذين امنوا كونوا قوامين لله شهداء بالقسط ولايجرمنكم شنان قوم على الا تعدلوا اعدلوا هو اقرب للتقوى واتقوا الله ان الله خبير بما تعملون.

"O you who believe, be upright for Allah, bearers of witness with justice. Let not even hatred of a people incite you not to act equitably. Be just. That is nearer to observance of duty … " 5/8

When it comes to doing business, it is best if you reduce you terms to writing and have such agreements witnessed. After having done that, be sure to strictly stick to agreements.

اوفوا الكيل ولاتكونوا من المخسرين. وزنوا بالقسطاس المستقيم . ولاتبخسوا الناس اشياءهم ولاتعثوا في الارض مفسدين.

"Give full measure and be not of those who diminish. And weigh with a true balance. And wrong not men of their dues and act not corruptly in the earth, making mischief." 26/181-183.

..واوفوا الكيل والميزان بالقسط لانكلف نفسا الا وسعها واذا قلتم فاعدلوا ولو كان ذاقربى وبعهد الله اوفوا..

"And give full measurement and weigh with equity. And when you speak, be just, though it may be against a relative…" 6/153

The Quran goes a step further.

ياايها الذين امنوا كونوا قوامين بالقسط شهداء لله ولو على انفسكم او...

"O you who believe, be maintainers of justice, bearers of witness for Allah even though it be against your own selves or your parents or your near relatives…" 4/135

Business morality is emphasized in numerous passages in the Quran. When talking of rise and fall of nations, the Quran has stated that in nearly each case, nations have fallen from their high status when they have started being dishonest in business.

There are many occasions on which the Quran asks Muslims to sit together in conferences and consult each other. To introduce decency in such gatherings, the Quran offers some advice.

ياايها الذين امنوا اذا تناجيتم فلا تتناجوا بالاثم والعدوان ومعصية الرسول وتناجوا بالبر والتقوى..... ياايها الذين امنوا اذا قيل لكم تفسحوا في المجالس فافسحوا يفسح الله.... ياايها الذين امنوا اذا ناجيتم الرسول فقدموا بين يدي نجواكم صدقة...

"O you who believe, when you confer together in private, give not to each other counsel of sin and revolt and disobedience to the Messenger, but give to each other counsel of goodness and observance of duty. When it is said to you, make room in assemblies (do not sit as if you are conspiring), make room and when you are asked to disperse, do so. When you consult the Messenger on private matter, offer something in charity before your consultation. But, if you do not have the means, do consult any-way…"58/9-12

The matter of offering charity before taking up the Chief Executive's time is interesting. It might well mean in modern times to lessen pressure on Executive's time when their

advice is sought on matters of a private nature. The treasury would get something in lieu of the time spent by State Executive while offering advice. The state would, of course, have to make arrangements for free advice for indigent people.

The Quran lays great stress on unity of thought and purpose in the whole of humanity. In the symbolic story on creation of mankind, the very first thing humans are advised to avoid is ش ج ر (Shajara) i.e. a tendency for them to tear away from their fellow beings when their personal, selfish ends conflict with the collective good of people as a group. The tree (Shajar) ش ج ر remains a tree only when its branches remain part of a single root. Humanity, as envisaged by the Quran is one single unit, having a common goal, viz. the achievement of a peaceful and prosperous way of living for the entire mankind. This is only possible when all agrees upon a broad set of rules and an infringement of such rules is not allowed to any set of people for the advancement of their separate, selfish interest.

وان هذه امتكم امة واحدة وانا ربكم فاتقون. فتقطعوا امرهم بينهم زبرا كل حزب بما لديهم فرحون. فذرهم في غمرتهم حتى حين..

"And this your set of people, has always been a single set of people with the same root with a common ideology that they all believed in one God (one set of broad fundamental value system) and their aim was collectively to live by the values of that one God. Over a period of time, they parted ways. (They adopted different sets of rules to suit their selfish purposes at the cost of collective good). And now each separate set of people is glibly following their own path, considering it be the best. Leave them to their foolish selfish thinking. The results of this wrong action of theirs will make it clear to them as to which set of people is on the right path…." 23/52-54

As a way of life cannot be imposed on people against their will, the Quran asks at least the Muslims to hold fast together. So long as they all believe in the same higher value system, they should not divide themselves on the basis of blood, language, color or nationality. No ethnic considerations of any kind should be allowed to disrupt their unity. Other people who do not believe in the same values as you do, will try and tear you apart. Even so, you must not force your views on them. Instead, leave them, do their machinations and do not have any truck with them.

يايها الذين امنوا لاتتخذوا بطانة من دونكم لايالونكم خبالا ودوا ماعنتم... هاانتم اولاء تحبونهم... تمسسكم حسنة تسؤهم وان تصبكم سيئة يفرحوا...

"O you who believe, take not for intimate friends others than your own people. They spare no pain to cause you loss. They love that which distresses you.. Lo! You are they who will love them while they love you not. If good befalls you, it grieves them, and if an evil afflicts you, they rejoice at it…" 3/117-119

The Quran advises the Muslims to avoid not only intimate relationship with such people but also to avoid their company if they insist on not taking divine values seriously.

وقد نزل عليكم في الكتاب ان اذا سمعتم ايات الله يكفر بها ويستهزا بها فلا تقعدوا معهم حتى يخوضوا في حديث غيره انكم اذا مثلهم...

"And indeed He has revealed to you in the Book that when you hear Allah's messages disbelieved in and mocked at, sit not with them until they enter into some other discourse, for then indeed you would be like them…" 4/140

How does one differentiate people who would give a priority to their selfish interest from those who would prefer the common good of mankind? The Quran gives a clear guideline.

يايها الذين امنوا لاتتخذوا اباءكم واخوانكم اولياء ان استحبوا الكفر على الايمان.... قل ان كان اباؤكم وابناؤكم واخوانكم وازواجكم وعشيرتكم واموال... احب اليكم من الله ورسوله وجهاد في سبيله فتربصوا حتى ياتي الله بامره والله لايهدي القوم الفاسقين.

"O you who believe, take not your fathers and your brothers for friends if they love disbelief above faith. And, whoever of you takes them for friends, such are wrongdoers. Say: If your fathers and your sons and your brethren and your wives and your kinsfolk and the wealth you have acquired and trade whose dullness you fear, and dwellings you love, are dearer to you than Allah (and His eternal value system) and His Messenger and striving in His way, then wait until Allah brings His command to pass…" 9/23-24

In an imperfect world, a man will have to make a choice between telling a truth or a lie, being honest or dishonest, bearing true evidence or avoiding it, help the need or ignore him, exploit the weak or give him his full due. The Quran advises intimate friendship and company with those who make a correct choice, even though it may be disadvantageous in the short haul. Laws of nature will take their own course. Just because good actions seem not to be profitable and wrong actions seem to be more advantageous, does not mean that a good man should stop acting according to a good value system. On the other hand, all good men should strive to change a system, which rewards evil. And, if the wrongdoers insist on their evil ways while the good men are trying to bring about a better system, the good men should say:

وان كذبوك فقل لي عملي ولكم عملكم انتم بريئون مما اعمل وانا برئ مما تعملون.

"And if they reject you say: my work is for me and your work for you. You are clear of what I do and I am clear of what you do…10/41

We will both stand by the long term consequences of our actions and we firmly believe that in the final analysis, we will be proved right.

In the chapter out lining a political value system by the Quran, we have defined a method of framing laws. Such laws are to be enforced by an Executive. Individuals do not frame or enforce laws; institutions do. The Quran enjoins such an institution.

ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويامرون بالمعروف وينهون عن المنكر واولئك هم المفلحون.

"You should be a set of people who invite others towards law. Then make people live by the law as given by God and prevent people from taking such actions as are not permitted by God…" 3/104.

In fact, such institutions must not be restricted to Muslim countries alone. These should be universal.

كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله ولو امن اهل الكتاب لكان خيرا لهم منهم المؤمنون...

"(Laws of God are automatically enforced in others than humans) But for the betterment of humanity, you should take it upon yourself to invite entire humanity towards an excellent value system beneficial to entire humanity. Make them do good and prevent them from doing wrong. It would be better for other people wanting to live by the law to believe in the value system offered by you. Some of them have already done so…"3/110

Such an international system cannot, however, be enforced. It has to come about with the willingness of a set of people who wish to live by an international law. Here are the germs of a united nations offered by the Quran many years ago.

We have discussed the permanent value system suggested by the Quran to regulate the social sphere of an Islamic society. A very vital part of social interaction among Muslims and with non-Muslim is the so-called five pillars of Islam (the Quran does not use this expression), which I shall discuss, in a separate chapter. Before, I conclude the Quranic value system regulating social spheres, I am tempted to quote a little extensively from the Quran chapter-17 which summarizes these values in a way that only the Quran can do.

وقضى ربك الا تعبدوا الا اياه وبالوالدين احسانا ..... ولاتمش في الارض مرحا انك لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا.

"And, your Nourisher has decreed that you serve none but Him and do good to parents. If either or both of them reach old age with you, say not "fie" to them, nor

chide them. And, speak to them a generous word. And, lower to them the wing of humility out of nourishment. And, say: My Nourisher, have mercy on them as they brought me up when I was little. Your Nourisher knows best what is in your minds. If you are righteous, His law will provide you the fullest protection and bring about best results. And, give to the near of kin his due and to the needy and to the wayfarer. And, squander not wistfully. Those who squander national resources are the devils brethren; And the devil ever teaches ungratefulness to his Nourisher. And, if the needy approach you at a time when you can not afford to attend to their needs, do not make your hand to be shackled to your neck nor stretch it forth to the utmost limit of its stretching forth. In the case of stringiness, all will blame you and in case you spend more than you should, you will be sorry for yourself. Surely, your Nourisher has arranged that there in no shortage of things to consume for those who work hard. Surely, He is ever aware, seer of His people. And, do not hold your hands on the upbringing of your children for fear of becoming indigent. We provide for them and for you in plenty. (All you need do is work hard and have a just economic system). Depriving your children of their upbringing in all respects would be a big failing on your part. And, go not nigh to fornication. Surely, it is an obscenity and an evil way. And, kill not any people whose killing has been forbidden by Allah except for just cause. If anybody is killed without just cause, State must act vigorously on behalf of his relatives so that full justice is done but State must be equitable in perusing the killer. Surely, the inheritors of the killed person will be provided full assistance. And, fulfill you promise. Surely, you are fully reckonable with regard to your promise. And, give full measure when you measure out, and weigh with a true balance. This is fair and better in the end. And, follow not that of which you do not have firm knowledge. Surely, the hearing and the sight and the mind, all of these will be answerable why they believed in what they were not sure of. And, go not about in the land exultingly, for you can not rend the earth, nor reach the mountains in height." 17/23-37.

CHARACTERISTICS OF A MOMIN

The Quran advocates a concept of one world in which human beings live in peace with one another. It would help if they all, of their own free will, subscribed to a common set of broad rules and regulations and agreed to live by this code of discipline. If every one insisted that he was not prepared to bind himself to any code but was entitled to a freedom to live his own way of life, there would inevitably, be a clash. This would interfere in the smooth progress of humanity towards peace and prosperity.

A collective code of life in various spheres has been discussed in earlier chapters. Here, we will examine the advice offered by the Quran to each individual. The evolution of societies would, of course, be greatly facilitated if individuals, forming a part of that society, would all live their daily life according to an agreed set of rules. As already hinted before, the Quran concedes that such rules could be framed by human beings themselves, using their common sense, power of reasoning and experience. But this process would take a long time. Also, it might lead to schism, warfare and loss of life

before humans would arrive at an agreed upon solution. History, so far, has proved that exactly this has happened. In spite of, their best collective efforts, the humans are still struggling to find a common ground among themselves resulting in the postponement of a peaceful and prosperous world they are all looking forward to. So, in order to economise in their efforts, they might by well advised to listen to an objective solution and try it out.

Human beings wishing to live at peace with themselves and the other humans in the world, according to a set of agreed upon laws, are termed as "Momin" by the Quran. The Quranic momin is described as a person who :

a) Believes in one set of broad values as revealed in the Quran by the one God (Eiman Billah) ایمان باللہ - Conviction in God.

b) Believes that God has, since the dawn of civilization, been giving a broad set of values to all civilized people through His chosen Messengers (Eiman Bil-Kitab Warr Rusal) ایمان بالکتاب الرسول - Conviction in Messengers and Revealed Books.

c) Believes that, unfortunately, the people of the Books prior the Quran, could not preserve their Books in their original text. Divine and human was mixed up in such Books and hence they were, as of now, not reliable in full as God's work. God's Messenger Muhammad ensured that Quranic text was preserved in original. God also decided that Muhammad (pbuh) was to be the Last Messenger. From then onwards, people were to exercise their own best judgment for solving new problems facing them as time went by, keeping themselves within the broad value system given in the Quran (Khatm-e-Nubawah) ختم نبوت - Finality of Messenger-hood.

d) Believes that, the Forces of Nature are at his command. With intelligence and hard work, he has to discover the bounties of nature as spread out in the universe and, in conjunction with the Forces of Nature, use those resources for the good of mankind. Man would have to acquire technical know how of a very high order. This would enable him to harness the Forces of Nature and use them for his own benefit as well as for the benefit of mankind. God has assured mankind that the resources spread by Him in the universe are limitless. All man has to do is to persistently work hard in harmony with laws of nature. He will never find God wanting in provision of adequate resources - (Eiman Bil Malaika) ایمان بالملائکہ - Conviction in Angels.

e) Believes that, constructive and beneficial actions as listed in the Quran will result in good, although at first sight it might appear as if they do not. Similarly, bad and harmful acts, as listed in the Quran will result in disaster

although at first sight, they might appear to be beneficial - (Eiman Bil Ghaib) ایمان بالغیب - Conviction in the Unseen.

f) Believes that, whatever the circumstances, the consequences of good or bad actions as listed by the immutable laws of nature given in the Quran, will appear. People will be rewarded or punished for their good or bad actions in this world, sooner or later and in the hereafter, if for some reason not possible in this world – Eiman Bil Akhirah ایمان بالآخرت - Conviction in the Hereafter.

If a set of people has Convictions as outlined above, they are asked to act in accordance with divine instructions. When they act according to these Convictions, they will be termed as مومن Momins The Believers.

Momins are not ordered into a Conviction. They are asked to exercise their judgment even when a divine instruction is conveyed to them.

والذين اذا ذكروا بايات ربهم لم يخروا عليها صما وعميانا.

"And they who, when reminded of the messages of their Nourisher, fall not down there at deaf and blind…" 25/73

However, divine laws are based on logic. If a certain divine instruction does not seem to be logical to them, it is because they are not fully aware of all the implications with their present knowledge. They will, in time, see the logic in such instruction and, hence they would be well advised to obey those instructions.

انما المؤمنون الذين اذا ذكر الله وجلت قلوبهم واذا تليت عليهم اياته زادتهم ايمانا وعلى ربهم يتوكلون.

"In fact, Momins are those who tremble at the very thought of disobeying divine commands, because they are sure disaster will follow. When details of divine value systems are presented to them, they rejoice at the thought of living in accordance with them because they are certain that pleasant consequences are bound to follow. They firmly believe that divine guidance will never let them down." 8/2

The true significance of Tawakkal (Infallible Support) is that having been convinced of a course of action, you initiate action on that course. You go on treading your course with persistence even though initially you may be discouraged because the results do not appear to be in proportion to the effort you made. This is called (Sabar).

You go on steadfastly sticking to your course of actions because you are convinced that in the final analysis divine laws will protect you from coming to any permanent harm because you are working in obedience to divine laws. This is called (Istighfar).

الصابرين والصادقين والقانتين والمنفقين والمستغفرين بالاسحار.

"Momins are steadfast. By their actions, under all sorts of challenges, they prove the firmness of their Conviction. At all times, they continue to work in accordance with the laws of God, spending all their energies in the process. They keep producing things with their labour and then keep these resources available for use by the indigent and needy. They are sure that because they are following the laws of God. He is bound to provide them protection…"3/17

In this spirit of sacrifice, they forego their own needs when they find that others need the resources at their command more urgently.

والذين تبوؤوا الدار والايمان من قبلهم يحبون من هاجر اليهم ولايجدون في.... ومن يوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون

"These helpers in Medina welcome with open arms those who migrate to Medina from Mecca. These helpers give priority to the requirements of the migrants even though they themselves may be in dire need of the available resources…" 59/9

Even though they may be in a relative state of discomfort themselves, the Momins keep allotting their resources to fulfill the dire need of the indigents.

الذين ينفقون في السراء والضراء والكاظمين الغيظ والعافين عن الناس...

"They keep the product of their labour open for use by humanity irrespective of whether they themselves are in pleasant circumstances or difficult straits. They do not destroy their excess energies and power on frivolous things but instead transfer it for use in constructive works. While so doing, they do not care what others think about their course of action. God likes those who work for restoration of balance..."3/134

By definition, a Momin is somebody who is at peace with him and others are at peace with him. His actions can be predicted because he will always act according to a defined code of law. His goal and his aspirations are what God wishes his goal and aspirations should be.

وماتشاؤون الا ان يشاء الله ان الله كان عليما حكيما.

"And you do not wish for anything unless Allah wishes that you should do so." 76/30

And once they have decided that their life pattern will follow the wishes of Allah, they stick to this resolve under all circumstances.

(Continue)

****